معارف

جنوری ۲۰۱۶ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰/روپئے۔ فی شمارہ ۲۵/روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴/روپئے
دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰/روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰/روپئے
ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰/روپئے میں دستیاب۔

(اوپر کی رقوم ہندوستانی روپئے میں دی گئی ہیں)

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

سجاد الٰہی صاحب، 27-A لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور (پاکستان)

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہیئے۔

مقالہ نگار حضرات سے التماس

- مقالہ صفحہ کے ایک طرف لکھا جائے۔
- حواشی مقالے کے آخر میں دیئے جائیں۔
- مآخذ کے حوالہ جات مکمل اور اس ترتیب سے ہوں: مصنف یا مؤلف کا نام، کتاب کا نام، مقام اشاعت، سن اشاعت، جلد یا جزا ور صفحہ نمبر۔

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری/منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر
دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی ودینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۹۷ ماہ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق ماہ جنوری ۲۰۱۶ء عدد ۱

فہرست مضامین

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر: ۱۹

شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)

پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

شبلی صدی سال جس کا آغاز شبلی صدی سیمینار سے ہوا تھا بحمد اللہ بحسن وخوبی اپنے اختتام کو پہنچا۔ یادگار شبلی صدی سیمینار اور اس کے افتتاحی اجلاس کی روداد شبلی نمبر میں شائع کی جا چکی ہے۔ جیسا کہ آپ کو علم ہے یہ دارالمصنّفین کا بھی صدی سال تھا۔ ساتھ ہی یہ مولانا حالی کا صدی سال تھا اور ہم نے اس کی مناسبت سے ملک وملت کے اس محسن کو بھی خراج عقیدت پیش کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ علامہ شبلی کا انتقال ۱۸/نومبر ۱۹۱۴ء کو ہوا تھا۔ دارالمصنّفین کی تاسیس کے سلسلہ میں ابتدائی اقدامات علامہ شبلی کے انتقال کے تین دن بعد ۲۱/نومبر ۱۹۱۴ء کو کر لیے گئے تھے۔ مولانا حالی کا انتقال ان واقعات کے قریب ایک مہینہ بعد ۳۱/دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہوا۔ ان اسباب کے پیش نظر ۱۹۱۵ء کو عمومی طور پر شبلی صدی سال مان لیا گیا تھا۔ ہماری خواہش اور کوشش تھی کہ صدی تقریبات سے متعلق تمام منصوبے ۲۰۱۵ء کے اواخر تک مکمل کر لیے جائیں۔ الحمدللہ اس سلسلہ کے بیشتر منصوبے وقت کے اندر پورے کر لیے گئے۔ البتہ شبلی صدی مطبوعات کے تحت جن کتابوں کی اشاعت کا منصوبہ تھا ان میں سے بعض کی طباعت اس وقت کے اندر مکمل نہ ہوسکی۔ اس تاخیر کے لیے کچھ ناگزیر اسباب ذمہ دار تھے۔ یہ شمارہ جب آپ کے ہاتھ میں پہنچے گا اس وقت تک ان میں سے کئی کتابیں چھپ چکی ہوں گی اور باقی پریس میں ہوں گی، انشاءاللہ۔ کئی بار دستیاب افرادی اور مادی وسائل پیش آمدہ مسائل کا ساتھ نہیں دے پاتے۔ البتہ تمام تر مشکلات اور مسائل کے باوجود جو کچھ ممکن ہوسکا وہ کم نہیں ہے۔ اس کے لیے ہم بارگاہ رب العزت میں سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔ **اللّٰھم لا سھل الا ما جعلتہ سھلاً و انت تجعل الحزن سھلاً اذا شئت**۔

بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا کوئی وجود نہیں ہوتا لیکن ان کو حقیقت واقعہ کے طور پر تسلیم کرلیا جاتا ہے۔ علامہ شبلی اور مولانا حالی کی معاصرانہ چشمک کا مفروضہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ گذشتہ ایک صدی سے پروفیسر آل احمد سرور کے بقول اس سلسلہ میں صورت حال یہ رہی ہے کہ ”ادبی حلقوں میں حالی اور شبلی کا موازنہ اور ایک دوسرے سے بڑھانے اور گھٹانے کی کوشش اچھا خاصا فرض بن گئی

ہے"۔لیکن یہ بات ایک حد تک ہی درست ہے۔اس میں شبہہ نہیں کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو مولانا حالی کا عقیدت مند کہتے تھے انہوں نے ایسا ہی کیا بلکہ انہوں نے علامہ شبلی کے ساتھ جو سلوک کیا اور ان کی مخالفت میں جس طرح ہر حد سے گذر گئے اس کی صحیح عکاسی اس سے نہیں ہوتی۔ان حضرات نے جس شدت سے شبلی شکنی کی مہم چلائی اس کے لیے یہ تعبیر بہت ہلکی ہے اور اسے ناکافی اظہار بیان (under statement) ہی کہا جاسکتا ہے۔اس سلسلہ میں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ یکسر یک طرفہ عمل تھا۔علامہ شبلی کے تلامذہ اور ان کے وسیع تر حلقہ اثر سے وابستہ افراد نے عام طور سے اس طرح کی سرگرمی سے اپنا دامن بچایا اور کبھی اس طرح کی مہم کا حصہ نہیں بنے۔دارالمصنّفین نے ہمیشہ مولانا حالی کے احترام کو ملحوظ رکھا اور یہاں سے ان کے خلاف کبھی بھی کوئی مہم نہیں چھیڑی گئی اور یہ صورت حال آج بھی قائم ہے۔واقعہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کے درمیان کبھی کسی طرح کی کوئی چشمک نہیں رہی اور نہ کبھی ایسا کوئی اختلاف رہا جس کا اثر باہمی تعلقات پر پڑتا۔دونوں کے درمیان جو مخلصانہ تعلقات ابتدا میں قائم ہوئے ان میں وہی گرم جوشی آخر تک باقی رہی۔لیکن اگر خدانخواستہ بزرگوں کے درمیان کسی بات پر آپس میں اختلاف ہو بھی جائے تو کیا خوردوں کے لیے اس میں حصہ لینا مناسب ہوگا۔کم از کم دارالمصنّفین میں ہم اس طرز عمل کو درست نہیں سمجھتے۔ہم ملت کے تمام محسنین کے علمی،ادبی اور تہذیبی ورثہ کو ملت کا مشترکہ اور قابل فخر ورثہ سمجھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی کے ساتھ ہم نے ان کے بزرگ دوست مولانا حالی کا صدی سال بھی منانے کا فیصلہ کیا۔اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں اس ارادہ کی تکمیل کی توفیق نصیب ہوئی۔اس سلسلہ میں دو کام پیش نظر تھے۔ایک تو ان کی یاد میں ایک سیمینار کا انعقاد اور دوسرے ان کی مشہور زمانہ کتاب "حیات سعدی" کے محقق ایڈیشن کی اشاعت۔۲۶/اپریل ۲۰۱۵ء کو دارالمصنّفین میں "مولانا حالی کی یاد میں" کے عنوان پر ایک قومی سطح کے سمینار کا اہتمام کیا گیا۔اس سمینار میں پیش کیے جانے والے مقالات کے مجموعہ کو اسی نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔ہماری درخواست پر پروفیسر سید اسد علی خورشید،صدر شعبہ فارسی،مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ نے بڑی دیدہ ریزی اور محنت سے "حیات سعدی" کی تحقیق کا فریضہ انجام دیا ہے۔اس کے لیے ہم صمیم قلب سے ان کے شکر گزار ہیں۔یہ کتاب پریس میں ہے اور انشاءاللہ جلد آپ کے ہاتھ میں ہوگی۔ہم کو اس بات پر بے پایاں خوشی بھی ہے اور فخر بھی کہ مولانا حالی جیسی عظیم شخصیت کو ان کے

صدی سال میں اتنے اہتمام اور احترام کے ساتھ صرف دارالمصنّفین میں یاد کیا گیا اور اس پر ہم اللہ کا شکرادا کرتے ہیں۔

دارالمصنّفین کی اصل شناخت سیرت نبویؐ کے خدمت گزار ادارہ کی ہے۔ یہی اس کا امتیاز بھی ہے اور یہی اس کا شرف بھی۔ سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ کے موضوع پر جس نوعیت اور سطح کا کام اس ادارہ کو انجام دینے کی توفیق نصیب ہوئی اس کی کوئی نظیر نہیں۔ یوں تو اس کے عظیم مؤسس کی جملہ تصنیفات بے نظیر ہیں لیکن ان میں گل سرسبد کی حیثیت سیرت النبی کو حاصل ہے۔ اردو زبان میں اس وقت سیرت پاک کے موضوع پر جو گراں قدر سرمایہ موجود ہے اس کی بنیاد گذاری اور آبیاری کا کام علامہ شبلی اور ان کے قائم کیے اس ادارہ نے انجام دیا اور یہ ایک شرف ہے جس میں کوئی اور ادارہ اس کا شریک وسہیم نہیں۔ مسلمان کی حیثیت سے زندگی گذارنے کے لیے سیرت پاک سے واقفیت جس قدر ضروری ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ سیرت نگار رسولؐ علامہ شبلی نے بجا طور سے اس ضرورت کو "مجموعہ ضروریات دینی و دنیوی" کہا تھا۔ سیرت پاک سے واقفیت کی اس ناگزیر ضرورت کے پس منظر میں علامہ شبلی اور دارالمصنّفین کے جشن صد سالہ کی مناسبت سے ضرورت محسوس کی گئی کہ کچھ ایسے پروگرام بھی بنائے جائیں جن کے ذریعہ نئی نسل کے اندر سیرت پاک سے واقفیت کا رجحان بیدار ہو، اس کی اہمیت کا احساس پیدا ہو اور اس کے مطالعہ کا ذوق پروان چڑھے۔ اس مقصد کے پیش نظر فیصلہ کیا گیا کہ ملکی سطح پر یونیورسٹیوں، کالجوں اور مدارس کے طلبہ کے درمیان سیرت نبوی پر مسابقہ مقالہ نویسی کا اہتمام کیا جائے۔ عصری تناظر میں اس کا موضوع "مذہبی رواداری اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" طے کیا گیا۔ رفیق دارالمصنّفین جناب کلیم صفات اصلاحی صاحب اس کے کنوینر مقرر کیے گئے۔ پہلی تین پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کے لیے بالترتیب پندرہ ہزار، بارہ ہزار اور دس ہزار کے انعامات مختص کیے گئے۔ اس کے علاوہ دو ہزار کے دس تشجیعی انعامات بھی رکھے گئے۔ یہ مسابقہ منعقد ہوا اور دارالمصنّفین کی خدمات پر ۱-۲ نومبر ۲۰۱۵ء کو منعقد ہونے والے سیمینار میں اس کے نتائج کا اعلان کر دیا گیا اور جو طلبہ انعامات کے حقدار قرار پائے ان کو انعامات اور تمام شرکاء کو شرکت کا سرٹیفکیٹ بھجوا دیا گیا۔ اس کی افادیت کے پیش نظر فطری طور پر جی چاہتا ہے کہ اس مسابقہ کو جاری رکھا جائے اور آئندہ بھی اس کا اہتمام کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکا ہے۔ اس کے فوائد تو واضح ہیں البتہ

اس کے لیے درکار وسائل کا مسئلہ ہنوز حل طلب ہے۔

دارالمصنّفین علامہ شبلی کی عظیم الشان وراثت ہے۔ یہ ان کا سب سے آخری لیکن درحقیقت سب سے اہم کام تھا جسے وہ زمرہ مصنّفین کی دائمی خدمت تصور کرتے تھے۔ وہ ابھی اس کے ابتدائی انتظامات میں مصروف تھے کہ وقت موعود آگیا اور وہ اپنی آنکھوں سے اس کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکے۔ اس کی تاسیس ان کے اس دارفانی سے رخصت ہونے کے ساتھ ہوئی۔ چنانچہ علامہ شبلی کے انتقال اور دارالمصنّفین کے قیام کو ساتھ ساتھ سو سال پورے ہوئے۔ اسی وجہ سے دارالمصنّفین کی پلیٹینم جوبلی تقریبات بھی شبلی صدی تقریبات کا حصہ تھیں۔ اسی نسبت سے شبلی صدی سیمینار میں بعض مقالات دارالمصنّفین اور اس کے معماروں پر بھی پیش کیے گئے لیکن اس کا ارتکاز اصلاً علامہ شبلی پر تھا اور ان چند مقالات سے اس عظیم ادارے، اس کے معماروں اور خدمات کا حق نہیں ادا ہوسکتا تھا۔ دارالمصنّفین کوئی عام ادارہ نہیں۔ ایسے ادارے تو قوم کی آبرو اور اس کے لیے سرمایہ فخر و مباہات ہوتے ہیں۔ اس کی خدمات کی واقعی قدر و قیمت اور اس کے اثرات کی وسعت اور ہمہ گیری کا پورا پورا اندازہ لگانا بھی آسان نہیں۔ اس وجہ سے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس موضوع پر الگ سے ایک سیمینار کا انعقاد ہو۔ اس سیمینار کا فیصلہ اسی وقت کرلیا گیا تھا جب شبلی صدی سیمینار کی تکان بھی ابھی نہیں اتری تھی اور اس کا اعلان ''شبلی نمبر'' میں کردیا گیا تھا۔ یہ سیمینار ''دارالمصنّفین، اس کے معمار، رفقاء اور خدمات'' کے موضوع پر ۱۔۲/ نومبر ۲۰۱۵ء کو منعقد ہوا۔ اس کے لیے پچاس تلخیصیں موصول ہوئیں اور ۴۲ مقالات پیش کیے گئے۔ دو دن تک پورا ماحول دارالمصنّفین کی غیر معمولی خدمات، اس کے معماروں اور رفقاء کے اخلاص، ایثار اور قربانی کی خوشبو سے معطر رہا۔ اس کی رپورٹ دسمبر ۲۰۱۵ء کے معارف میں شائع ہوچکی ہے۔

خدا آبادتر سازد خرابات محبت را

شبلی صدی سال کی نسبت سے جو کام پیش نظر تھے ان میں شبلی صدی مطبوعات سلسلہ کے تحت علامہ شبلی کی چند کتابوں، ان سے متعلق کچھ کتابوں اور دارالمصنّفین سے متعلق بعض کتابوں کی

اشاعت کا منصوبہ بھی شامل تھا۔علامہ شبلی کی کسی ایک کتاب کے یادگار ایڈیشن کی اشاعت بھی اس پروگرام کا ایک حصہ تھا۔ یادگار ایڈیشن کے لیے سیرۃ النبی کا انتخاب کیا گیا اور اس کا ایک نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ایڈیشن شائع کیا گیا۔رسائل شبلی کو اس کی تاریخی اہمیت کی وجہ سے اشاعت کے لیے منتخب کیا گیا۔دارالمصنّفین سے متعلق کتابوں میں ''دارالمصنّفین کے سو سال''، ''متاع رفتگاں''، ''یہود اور قرآن مجید'' شامل ہیں۔ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی کی کتاب ''شبلی -ایک دبستاں'' اب شبلیات کے موضوع پر بنیادی کتاب کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔یہ ڈھاکہ سے شائع ہوئی تھی اور اب نایاب ہے۔اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو بھی شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔اس سلسلہ کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔سیرۃ النبیؐ، حصہ اول ودوم، یادگار ایڈیشن ۔ ۲۔شبلی کی آپ بیتی، مرتبہ ڈاکٹر خالد ندیم۔ ۳۔دارالمصنّفین کے سو سال، جناب کلیم صفات اصلاحی ۔ ۴۔شذرات شبلی، مرتبہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ ۵۔الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی، تحقیق ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی ۔ ۶۔ Muhammad Shibli Nomani: Life and Contributions, Dr. Javed Ali Khan ۔۷۔حیات شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی۔۸۔متاع رفتگاں، مرتبہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ۔۹۔رسائل شبلی ۔۱۰۔یہود اور قرآن مجید، مرتبہ اشتیاق احمد ظلی ۔۱۱۔مولانا حالی کی یاد میں، مرتبہ اشتیاق احمد ظلی ۔ ۱۲۔اردو ترجمہ (فارسی خطوط علامہ شبلی)، ڈاکٹر خالد ندیم ۔ ۱۳۔شبلی شناسی کے اولین نقوش، مرتبہ پروفیسر ظفر احمد صدیقی۔ ۱۴۔الفاروق (ہندی)، ترجمہ جناب دانش عبداللہ۔ ۱۵۔شبلی -ایک دبستاں، ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی۔ ۱۶۔حیات سعدی (مولانا حالی)، تحقیق پروفیسر اسد علی خورشید۔ ۱۷۔رسالہ بدء الاسلام مع فارسی و اردو ترجمہ، تحقیق ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی ۔ ۱۸۔مطالعات شبلی (مقالات شبلی صدی سیمینار)، مرتبہ اشتیاق احمد ظلی ۔۱۹۔مراسلات شبلی، مرتبہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ۔ ۲۰ - ۲۸۔ماہنامہ الندوہ (۹ جلدیں)۔

شبلی صدی سال کی مناسبت سے علامہ شبلی کو یاد کرنے کا سلسلہ صدی سال کی ابتدا سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا اور کم وبیش پورے سال جاری رہا۔اس سلسلہ میں جتنے پروگرام ہو چکے ہیں ان کی حیثیت ایک ریکارڈ کی ہے۔گذشتہ دسمبر میں ''شبلی نمبر'' کی اشاعت کے وقت تک بشمول یادگار

شبلی صدی سیمینار چھوٹے بڑے بارہ پروگرام ہو چکے تھے۔ان میں آٹھ پروگرام علامہ شبلی پر تھے اور چار پروگرام ان کے اور مولانا حالی کے درمیان مشترک تھے۔اس کے بعد جو پروگرام ہوئے یا جن کے بارے میں بعد میں معلومات حاصل ہوئیں ان کی تفصیل درج ذیل ہیں۔اس بات کا قوی امکان ہے کہ بعض اور بھی پروگرام ہوئے ہوں جن کی اطلاع ہمیں نہ مل سکی ہو۔

۱۔کاروان ادب برطانیہ، حلقہ ارباب ذوق برطانیہ، اردو ٹائمز، مولانا الطاف حسین حالی اور مولانا شبلی (سمینار اور مشاعرہ)، مانچسٹر، ۲۳/مئی ۲۰۱۴ء۔

۲۔بزم اردو قطر، دوحہ، بین الاقوامی سیمینار اور مشاعرہ، ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۴ء۔

۳۔شعبہ اردو، حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی، مولانا حالی اور مولانا شبلی صدی تقاریب، ۹۔۱۳/ نومبر ۲۰۱۴ء۔

۴۔کامٹی اردو مرکز، فیروزآباد، ۱۶/دسمبر ۲۰۱۴ء۔

۵۔مولانا عبدالسلام فاؤنڈیشن ممبئی، حالی، شبلی، عبدالسلام ندوی اور اقبال سہیل کی شعری جہات، ۲۰۔۲۱/فروری ۲۰۱۵ء۔

۶۔جاب انفارمیشن سنٹر، گورکھپور، شبلی کے علمی کمالات، بین الاقوامی سیمینار اور مشاعرہ۔

۷۔سنٹر آف ایڈوانسڈ اسٹڈی، شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، شبلی اور ان کا عہد، ۲۷۔۲۸/مارچ ۲۰۱۵ء۔

۸۔دکن مسلم انسٹی ٹیوٹ، پونے، حالی اور شبلی کی عصری معنویت، ۲۱/ستمبر ۲۰۱۵ء۔

۹۔گورنمنٹ پنجاب پبلک لائبریری، لاہور، بتقریب صدسالہ برسی بیاد علامہ شبلی نعمانی، ۱۸/نومبر ۲۰۱۴ء۔

۱۰۔شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، حالی وشبلی قومی سیمینار، ۶/مئی ۲۰۱۵ء۔

ندوہ کے لیے علامہ شبلی کی خدمات کے پیش نظر یہ توقع بیجا نہ تھی کہ وہاں ان کو اس موقع پر خاص طور سے یاد کیا جائے گا۔شبلی صدی کے اختتام پر ان کے عزیز شاگرد مولانا عبدالباری ندوی پر تو سیمینار کا اہتمام کیا گیا جو قابل مبارک باد ہے۔البتہ علامہ شبلی کے تعلق سے کوئی پروگرام منعقد نہیں ہوا۔

شبلی صدی کی مناسبت سے کئی مجلّات نے اپنے خاص نمبر اور گوشے شائع کیے۔اس سلسلہ میں ریکارڈ کے لیے ضروری معلومات درج ذیل ہیں:

۱۔معارف،شبلی نمبر،نومبر۔دسمبر ۲۰۱۴ء،صفحات ۳۷۶۔

۲۔صحیفہ،مجلس ترقی ادب،لاہور،جولائی۔دسمبر ۲۰۱۴ء،ص ۲۰۷۔

۳۔عربک اینڈ پرشین ریسرچ جرنل آن شبلی نعمانی (اردو،عربی،انگریزی)،(جنوری تا جون ۲۰۱۵ء) شعبہ عربی و فارسی،الہ آباد یونیورسٹی،الہ آباد،صفحات ۳۱۹۔

۴۔مجلۃ الھند،بمناسبۃ مرور ماۃ عام علی وفاۃ العلامۃ شبلی (عربی)،مولانا آزاد آئیڈیل ایجوکیشنل ٹرسٹ،بول پور،ویسٹ بنگال،جلد اول،صفحات ۳۸۷۔

۴۔مجلۃ الھند (عربی)،جلد دوم،صفحات ۵۸۱۔

۵۔قومی زبان،اردو اکیڈمی،حیدرآباد،جنوری ۲۰۱۵ء،صفحات ۸۲۔

۶۔نوائے ادب،انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ،ممبئی،علامہ شبلی پر خصوصی نمبر، اکتوبر۔مارچ ۲۰۱۵ء،صفحات ۱۲۰۔

۷۔مجلہ علوم اسلامیہ،ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،علی گڑھ، خصوصی اشاعت علامہ شبلی نمبر،۲۰۱۲۔۲۰۱۴ء،ص صفحات ۲۷۲۔

اس کے علاوہ درج ذیل مجلّات نے اس موقع کی مناسبت سے خصوصی گوشے شائع کیے:

۱۔ششماہی الایام مجلس برائے تحقیق اسلامی تاریخ و ثقافت،کراچی،۱/۵،جنوری۔جون ۲۰۱۴ء۔

۲۔پندرہ روزہ تعمیر حیات،ندوۃ العلماء لکھنؤ،۱۰/دسمبر ۲۰۱۴ء۔

۳۔ماہنامہ اردو دنیا،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،دہلی،اکتوبر ۲۰۱۴ء۔

۴۔ماہنامہ ایوان اردو،دہلی اردو اکیڈمی،(سرسید،حالی اور شبلی)،دہلی،اکتوبر ۲۰۱۴ء۔

۵۔ماہنامہ تہذیب الاخلاق،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،علی گڑھ،نومبر ۲۰۱۴ء۔

۶۔سہ ماہی فکر و نظر (حالی اور شبلی)،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،علی گڑھ،ستمبر ۲۰۱۵ء۔

۷۔سپت پڑنی (ہندی)،ششماہی،اعظم گڑھ،جنوری۔جون ۲۰۱۵ء۔

مقالات

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مولانا شبلی نعمانیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مابین تعلقات کی سرگزشت

ڈاکٹر سید سلمان ندوی

والد ماجد علامہ سید سلیمان ندوی کا اپنے استاذ مولانا شبلی سے طالب علمی کے زمانہ سے لے کر ان کے انتقال تک اور انتقال کے بعد بھی گہری عقیدت اور ان کے احسانات کا مفصل تذکرہ حیات شبلی و حیات سلیمان میں موجود ہے۔ مولانا شبلی سے عقیدت و وفاداری کا نقش تاحیات قائم رہا اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۹۴۳ء) سے تعلق و عقیدت بھی اس نقش کو دھندلا نہیں سکا۔ مولانا تھانویؒ سے تعلق کی ابتدا اور اس کے مابعد کی تفصیل کہیں بھی تحریری شکل میں موجود نہیں ہے۔ منتشر طریقہ سے کہیں کہیں خطوط میں یا ان کے اشعار کے مجموعہ ''ارمغان سلیمان'' میں بعض اشارے ملتے ہیں لیکن تفصیل نہیں ملتی۔ کئی سال ہوئے میں نے اس موضوع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اساتذہ اور طلبہ کے سامنے زبانی کچھ تفصیل بیان کی تھی۔ احباب کا مسلسل تقاضا تھا کہ میں اس موضوع پر تفصیل سے کچھ لکھوں، فرصت کشاکش غم پنہاں نے موقع نہیں دیا بالآخر برادر گرامی قدر ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی ناظم دارالمصنّفین کا پیہم اصرار میری سستی پر غالب آیا۔

حسن اتفاق سے میرے پاس والد ماجدؒ اور مولانا تھانویؒ کے درمیان مکاتیب کا مجموعہ اپنی اصل شکل میں موجود تھا۔ ان مکاتیب سے بڑی رہنمائی ملی پھر حضرت تھانوی کے یہاں کے رسالہ ''النور'' سے داستان مرتب کرنے میں بہت مدد ملی۔ مولانا تھانوی سے تعلق اور بیعت کا تذکرہ مکمل

۱۸ کنگس ایونیو، ویسٹ وِلّی، ۳۶۲۹، کے، زیڈ، این، ساؤتھ افریقہ۔

نہیں ہوگا جب تک کہ مختصر طور پر سید صاحب (علامہ سید سلیمان ندوی) اور مولانا شبلی کے تعلق کا ذکر نہ کیا جائے۔

جیسا کہ ذکر کر چکا ہوں سید صاحب کا تعلق مولانا شبلی سے ندوہ میں طالب علمی کے زمانہ میں ہی قائم ہو چکا تھا۔ والد صاحب کا خاندانی پیشہ طبابت تھا، چنانچہ ان کے والد اور خاندان والوں کا خیال تھا کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد طبابت شروع کریں گے۔ مولانا شبلی نے ان کے جوہر کا اندازہ کرکے ان کے والد صاحب سے کہا کہ "آپ اس کو طبیب جسم بنانا چاہتے ہیں میں اس کو طبیب قلب بنانا چاہتا ہوں۔ ۱۹۰۵ء میں مولانا شبلی کی ندوہ آمد کے موقع پر والد صاحب نے مولانا شبلی کے استقبال میں فارسی قصیدہ پیش کیا۔ اس کے حسب ذیل اشعار سے اسی زمانہ میں گہری عقیدت کا اظہار ہوتا ہے:

سخن گوید لبش یا گوہر شہوار می بارد چنیں گوہر نہ زنہار آفریدست ابر نیسانی

مسیحا دم بہ اعجاز قلم جان دگر بخشد بہ حکم قم بہ اذن العلم آں تن را کہ شد فانی

بہ خواہم از خداوندے کہ نامش حیّ وقیوم است بہ ماند زندۂ جاوید ایں شبلی نعمانی

تعلیم کے دوران اور تعلیم ختم کرنے کے بعد بھی استاد سے وابستہ رہے اور استاد نے بھی خوب قدر کی، یہاں تک کہ پونا میں دکن کالج میں السنۂ شرقیہ میں استاذ بھی لگوا دیا۔ ادھر مولانا شبلی نے سیرت النبی کا ایک پورا نقشہ تیار کیا تھا اور سیرت کی پہلی جلد کا مسودہ تیار ہو گیا تھا اور دوسری جلد تقریباً تکمیل کو پہنچنے والی تھی اور نظر ثانی کی محتاج تھی۔ اسی دوران مولانا شبلی کا مرض الموت شروع ہو گیا۔ استاد کو فکر تھی کہ دارالمصنّفین کا جو انہوں نے نقشہ تیار کیا ہے اور سیرت کی تکمیل کا جو ارادہ ہے وہ کیسے پورا ہوگا۔ ادھر مولانا شبلی کے مرض نے نازک صورت حال اختیار کر لی اور یہ خبر عام ہو رہی تھی والد ماجد اپنے قلب سے مجبور ہو کر استاد کے پاس ان کے انتقال سے پہلے پہنچ گئے اور سیرت کی تکمیل کا عہد لیا (تفصیل حیات شبلی میں مل جائے گی)۔ بالآخر مولانا شبلی کا انتقال ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو ہو گیا۔ اس حادثہ کا کیا اثر والد ماجد پر ہوا اس کا اندازہ ان کے اس نوحہ سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے اپنے استاد کے انتقال پر کہا تھا۔ نوحہ تو بڑا طویل ہے مگر اس کے حسب ذیل چند بند سے ہی ان کے حزن و ملال و درد وغم کا اندازہ ہو جائے گا:

اے متاع عزت پیشیں کے پچھلے کارواں + آہ وہ بھی مٹ گیا باقی جو تھا تیرا نشاں
اب ہمیشہ کے لیے وہ آہ ہم سے چھوٹ گیا
وائے ناکامی ہمارا قافلہ اب لٹ گیا
کیا فریب صبر کھائے غم نصیب دل فگار
جس کی دولت لٹ گئی کب اس کو دل پر اختیار
تیرے اوراق پریشاں کس طرح ترتیب دوں
کچھ طریق نقد سکھلا کچھ بتا انداز کار
اہل میت اک توقف پوچھ لوں آقا سے میں
میرے آقا میں فدا اور جاں میری تجھ پہ نثار
تو نے فرمایا کہ تاریخ عرب تحریر ہو
ہو چکی تعمیل اب ہو کون دیباچہ نگار
(ارض القرآن)

کون اب بتلائے مجھ کو طرز اعجاز بیاں
کون پھونکے اب مرے بے جان فقروں میں جاں
کس کے نامہ کا بناؤں اب میں عنوان خطاب
سیدی مولائی استاذی غزالی الزماں
لوگ ٹھہرائیں جنازہ پوچھ لوں بھولا نہ ہو
یاد ہو اس وقت اور عالم میں کہیں ایسا نہ ہو

مندرجہ بالا بند میں اور اشعار میں اپنے مربی و استاد کی جدائی کا جو درد ہے، وہ وقتی نہ تھا۔ یہ اثر عمر بھر قائم رہا۔ کراچی میں قیام کے بعد ایک مرتبہ ۱۹۵۱ء میں ایک ادبی شخصیت ان سے ملنے کے لیے آئے نہ معلوم کس طرح مولانا شبلی کا ذکر آ گیا، پھر انتقال اور سیرت کی تکمیل کا ذکر آ گیا تو میں حیات شبلی لے آیا اور نوحہ استاذ کے بند سنانے لگا۔ والد صاحب نے کہا میں سناتا ہوں مگر ہوا یہ کہ وہ چند اشعار سے زیادہ نہ پڑھ سکے اور آواز میں لرزش اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ استاد سے عقیدت کا ایک اور نمونہ بھی غور فرمایئے۔ ۱۹۰۶ء میں ندوہ میں والد صاحب کی تعلیم کی فراغت کے موقع پر جو عربی میں برجستہ تقریر انہوں نے کی تھی تو استاذ نے فرط مسرت میں اپنا عمامہ اتار کر شاگرد کے سر پر رکھ دیا۔ والد صاحب نے لکھا ہے کہ یہ عمامہ میرے لیے زندگی بھر کے لیے طرۂ افتخار بن گیا۔ چنانچہ یہ استاد کا عمامہ وہ ہر عید و بقرعید کے موقع پر باندھا کرتے تھے۔ یہ عمامہ ریشمی قسم کا تھا اور طول زمانہ کی وجہ سے کئی جگہ سے بوسیدہ ہو رہا تھا مگر پھر بھی اس بوسیدگی کو چھپا کر ہر سال ان دونوں موقعوں پر پہنا کرتے تھے۔

جب بھی مولانا شبلی پر تنقید ہوئی اور شخصیت کو داغ دار بنانے کی کوشش کی گئی تو شاگرد رشید نے مکمل دفاع کیا اور ایک بار کہا کہ جس نے بھی شبلی پر کچھ لکھا یا ان پر تنقید کی وہ زندہ جاوید ہو گیا۔ خواہ

ڈاکٹر عبدالحق ہوں، امین زبیری ہوں یا محمد اکرام ہوں یا عطیہ بیگم فیضی ہوں۔ سب ہی شبلی ہی کے نام سے مشہور ہوئے۔ حیات شبلی کے مقدمہ میں ایک عنوان والد صاحب نے معتقد و منتقد کے نام سے قائم کیا ہے اور بڑا منصفانہ اور بلیغ جملہ لکھا ہے کہ "بہر حال شبلی شبلی تھے جنید و شبلی نہ تھے"۔ بالآخر حیات شبلی لکھ کر استاد کا پورا حق ادا کر دیا اور دارالمصنّفین شبلی منزل اعظم گڑھ میں قائم کر کے استاد کی وصیت کی نہ صرف تکمیل کی بلکہ پوری وفاداری کا حق ادا کر دیا۔ انھوں نے حیات شبلی میں لکھا کہ اپنے استاد کے احسانات سے وہ کبھی عہدہ برآں نہیں ہو سکتے، لاہور میں والد ماجد سے وحیدالدین قریشی کی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اپنے طرز عمل پر اظہار افسوس کیا اور کہا یہ ان کے جوانی کا جوش تھا۔ تقریباً یہی صورت حال شیخ اکرام کے ساتھ پیش آئی اور انھوں نے بھی اپنی شرمندگی کا اظہار کیا۔ چونکہ استاد و شاگرد کے تعلقات کی تفصیل حیات شبلی، حیات سلیمان اور مکاتیب شبلی میں موجود ہے اس لیے پچھلے صفحات میں جو مختصر اشارے کیے گئے ہیں وہ کافی ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت تھانویؒ کے ساتھ تعلقات کی ابتدا و انتہا کی تفصیل تحریری طور پر موجود نہیں ہے۔ اس لیے اب اس موضوع پر کچھ تفصیل سے گفتگو ہوگی۔

والد ماجد کی پرورش بچپن ہی سے ایسے خاندان میں ہوئی جہاں توحید و سنت اور اتباع سنت کا غلبہ تھا۔ چنانچہ والد ماجد کے والد ماجد حکیم سید ابوالحسن صاحب، صاحب دل صوفی تھے اور بہار میں خانقاہ پھلواری شریف سے تعلق تھا اور شاہ علی حبیب پھلواری سے بیعت تھے۔ اسی طرح والد ماجد کے بڑے بھائی سید ابو حبیب صاحب بھی بھوپال کے مشہور شیخ طریقت شاہ ابو احمد بھوپالی سے سلسلہ نقش بندیہ مجددیہ سے تعلق تھا اور ان سے اجازت بیعت رکھتے تھے۔ اس ماحول میں والد ماجد کی تربیت ہوئی اور اس ماحول کا اثر ان کی زندگی پر پڑنا لازمی تھا۔ چنانچہ جب عمر چالیس کے مرحلہ سے بڑھی تو خود احتسابی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فکر عمر کے ساتھ تیز ہوتی گئی۔ ۱۹۲۸ء کی ان کی ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

دل میں آتا ہے کہ اب ترک مئے و ساغر کروں　　پر یہ بتلا دے کوئی کیسے کروں کیونکر کروں
بت پرستی بھی کروں اور بت شکن بھی میں بنوں　　کیش ابراہیم رکھ کر پیشۂ آذر کروں
کفر پر ہے دل کبھی مائل کبھی ایمان پر　　معرکہ اس نور و ظلمت کا میں کیسے سر کروں

آنکھ میں توبہ کے آنسو دل میں اس بُت کی ہوس ہائے گنگا جل کو کیسے زمزم و کوثر کروں

مندرجہ بالا اشعار سے ان کی ذہنی اور قلبی کشمکش کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔اس زمانہ میں بعض قریبی دوستوں سے اظہار کیا کہ جب زمانہ کے فتن وحوادث سے دل گھبرا اٹھتا ہے تو کسی مامن کی تلاش ہوتی ہے۔معیار اتنا اونچا ہے کہ نگاہ کہیں جمتی نہیں۔نظر بار بار تھانہ بھون کی طرف اٹھتی ہے لیکن اس خیال سے کہ نہ معلوم میرے بارے میں وہاں کیا کیا پہنچا ہو اور اجنبیت و بیگانگی کی وجہ سے وہاں میرے بارے میں کیا تاثر ہو۔ابھی وہ اس منزل سے گذر ہی رہے تھے اور اپنے صدیق حمیم مولانا عبدالماجد دریابادیؒ سے خطوط میں اپنی کشمکش کا ذکر کر ہی رہے تھے کہ غیب سے ایسا سامان ہو گیا جس کی وجہ سے حضرت تھانویؒ سے مکاتبت کا دروازہ اچانک کھل گیا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ تھانہ بھون سے ایک استفتا والد ماجد کے پاس آیا تھا اور اس استفتا کے ساتھ تھانہ بھون سے لکھا ہوا اس کا جواب بھی تھا۔استفتا عربی میں لکھا ہوا تھا، مستفتی مفتی عبداللطیف صاحب تھے جو کسی زمانہ میں ندوہ میں والد ماجد کے استاد بھی رہ چکے تھے پھر بعد میں حیدرآباد دکن چلے گئے تھے۔تھانہ بھون کے مدرسہ امداد العلوم سے یہ استفتا اور اس کا جواب کشف الدجا کے نام سے اس پر تقریظ لکھنے کے لیے آیا۔اس کی پوری تفصیل تھانہ بھون کے رسالہ ”النور“ میں (النور محرم ۱۳۵۰ھ) شائع ہو چکی ہے۔اس فتویٰ میں مفتی صاحب نے ربوا کو مکروہ قرار دیا تھا، والد صاحب نے مفتی صاحب کو ان کی تحریر یہ کہہ کر واپس کر دی تھی کہ جس کو آپ مکروہ سمجھتے ہیں، میں تو اس کو عین ربوا کہتا ہوں۔حضرت تھانویؒ کو جو جواب لکھا تھا اس کے آخر میں دل کی وہ بات لکھ دی جس نے ان کو کچھ زمانہ سے الجھن میں ڈال رکھا تھا۔وہ عبارت یہ ہے:

بار بار میرا دل جب زمانہ کے فتن وحوادث سے گھبرا اٹھتا ہے اور بے اختیار کسی سکینت و طمانیت کے مامن کی تلاش ہوتی ہے تو خانقاہ امدادیہ کی یاد آتی ہے۔لیکن ڈر تھا کہ معلوم نہیں کہ اجنبیت و بیگانگی سے میرے متعلق کیا کیا اب تک پہنچا ہو اور آپ مجھے تخاطب کا اہل بھی سمجھیں یا نہیں۔میں تو اس رسالہ استفتا کا ممنون ہوں کہ اجنبیت و بیگانگی کی جگہ اس کی بدولت موانست و یکجہتی کی صورت پیدا ہوئی۔اب میں اس کشمکش کی منزل میں ہوں جس میں علوم ظاہری تسکین کا باعث نہیں بنتے، دعاء کا طالب و ہمت کا خواستگار رہوں۔

مندرجہ بالا عبارت میں اپنی جس خواہش کا اظہار کیا ہے اسی سے ملتی ہوئی عبارت مولانا ماجد میاں دریابادی کو بھی لکھی تھی۔ یہ یاد رہے کہ مولانا دریابادی اور مولانا عبدالباری ندوی دونوں ہی کافی پہلے حضرت تھانویؒ سے ارادت کا تعلق قائم کر چکے تھے۔ بیعت تو ان حضرات نے حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے ہاتھ پر کی تھی مگر اصلاح کا تعلق حضرت تھانوی سے رکھا تھا۔ اس کے علاوہ مولانا دریابادی اور مولانا تھانوی کے درمیان خطوط کا بڑا موضوع مولانا دریابادی کے اردو اور انگریزی کی تفاسیر کے سلسلہ میں رہنمائی کا حصول تھا۔ یہ دونوں ہی حضرات کا تعلق والد صاحب سے بڑا گہرا تھا اور گہری دوستی کا تھا۔ یہ بھی والد صاحب کی مولانا تھانوی کی طرف کشش کا بڑا سبب تھا، چنانچہ والد صاحب نے مولانا دریابادی کو ایک بار لکھا کہ میں عمر کی اس منزل میں ہوں، جہاں علوم ظاہری اطمینان کا باعث نہیں۔ دل کسی مامن کی تلاش کرتا ہے۔ معیار اتنا اونچا ہے کہ نگاہ کہیں جمتی نہیں۔ نگاہ بار بار تھانہ بھون کی طرف اٹھتی ہے مگر اس خیال سے کہ بیگانگی اور اجنبیت کی بنا پر نہ معلوم میرے بارے میں وہاں کیا کیا پہنچا ہو اور مولانا شرف تخاطب بھی بخشیں یا نہیں۔ اس صورت حال اور کشمکش سے گذر ہی رہے تھے کہ غیب سے رسالہ کشف الدجاء کے توسط سے حضرت تھانوی سے خط و کتابت کا دروازہ کھل گیا۔ پہلا خط والد ماجد کا مولانا تھانوی کے نام ۱۹۳۰ء کا تھا، اس کے جواب میں مولانا تھانوی کا جواب بڑا لطف و عنایت سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے جواب میں پھر والد ماجد کا خط مولانا تھانوی کے نام ۱۹۳۱ء کا ہے، اس خط میں مولانا تھانوی کے لیے ہادی طریقت کا القاب لکھا گیا تھا اور لکھا کہ "والا نامہ جو لطف و عنایت سے بھرا ہوا تھا ورود فرما ہوا اس سے ایک پریشان و مشتت البال کی سکینت ہوئی۔ مولانا میں آپ کی دعا و دعوت کا بہترین مستحق ہوں۔ مسائل علمی کی الجھن سے نجات کا خواستگار نہیں بلکہ روح کی الجھن سے نجات کے لیے دعاء و ہمت کا طالب ہوں"۔

اسی خط میں اپنے ذاتی کوائف و عقائد کا بھی ذکر کیا تا کہ مصلح کو اصلاح کی ہدایات میں آسانی ہو۔ لکھا کہ اعتزال سے لے کر سلفیت تک بہ مدارج ترقی کی ہے اور عقائد میں امام مالکؒ کے اصول کا پیرو ہوں (**الاستواء معلوم و الکیف مجھول و الایمان به واجب و السواد عنه بدعه**) یہ بھی تصریح کی اس خط میں اور دوسرے خطوط میں بھی کہ فقہ میں حق کو مذاہب اربعہ میں

محصور سمجھتا ہوں لیکن فقہ میں متاخرین کا متبع نہیں مگر اہل حدیث بالمعنی المتعارف نہیں ہوں۔

اس خط کے جواب میں حضرت تھانوی کا حسب معمول بہت ہی پرمسرت ولطف آمیز جواب آیا اور یہاں تک لکھ دیا کہ میری معروضات کو قول فیصل نہ خیال فرمایا جاوے بلکہ **خذ ما صفا و دع ما کدر** پر عمل رہے اور یہ بھی لکھا کہ مسرت ہوئی کہ میرا معروضہ کسی درجہ میں موجب سکینت ہوا اور بالیقین یہ اثر میرے عریضہ کا نہیں محض جناب کے حسن ظن کا ہے۔ اور والد صاحب نے جو کچھ اپنے مسلک کے بارے میں لکھا تھا اس کی تصویب کی۔

اب وقت آ گیا ہے کہ اس مکاتبت کو اصل شکل میں پیش کر دیا جائے۔ ملاحظہ کیجیے:

نقل خط مولوی سید سلیمان صاحب ندوی

بسلسلہ ارسال رسالہ کشف الدجی از مدرسہ امداد العلوم

حضرت العلامۃ المفضال متع اللہ المسلمین بطول بقاءکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

رسالہ النور متضمن رسالہ کشف الدجی مع ہدایت نامہ سرفرازی کا باعث ہوا۔ میں اس کو اپنے لیے سعادت کا طغریٰ سمجھتا ہوں کہ آپ اس ظلوم وجہول سے تقریظ لکھنے کو فرمائیں خدا گواہ ہے کہ میں اپنے کو اس سے کمتر سمجھتا ہوں کہ آپ کی کسی تحریر پر تقریظ لکھوں مجھے یہ بھی شک ہے کہ میرا طریقہ تحریر اور طرز استدلال پسند خاطر اشرف نہ ہو مگر بحکم الامر فوق الادب تعمیل کروں گا۔ اگر میرا یہ عذر قابل پذیرائی نہ ٹھہرا۔ ساتھ زبان کے متعلق فیصلہ ہو کہ عربی ہو یا اردو جواب کے لیے لفافہ وٹکٹ کی حاجت نہیں۔ حضرت مستفتی میرے استاد ہیں اور یہ رسالہ انہوں نے مجھے حیدر آباد میں خود دیکھنے کے لیے دیا تھا اور میں اس کو بغور پڑھنے کے لیے اپنے ساتھ لا یا تھا۔ پڑھ کر میں نے چند الفاظ کے ساتھ اس کو واپس کیا کہ آپ جس کو مکروہ سمجھتے ہیں، میں تو اسی کو عین ربوا کہتا ہوں اور میرے نزدیک تو قیل وقال وروایت کشی سے زیادہ مضبوط ومستحکم دلیل عمل سلف کرام ہے کہ یہ ایسا کھلا اور شدید الاحتیاج مسئلہ ہونے کے باوجود کسی نے اس کو جائز نہیں بنایا اور نہ اس پر کبھی عمل کیا۔ لفظ بیع ودین وقرض کے اصطلاحی سے بڑھ کر لغت کا فیصلہ ہے رسالہ کشف الدجیٰ مطالعہ سے بہرہ مند ہوا۔ طرز

عبارت استدلال کی سلاست اور ادبیت نور علی نور ہے۔

بار بار میرا دل جب زمانہ کے فتن وحوادث سے گھبرا اٹھتا ہے اور بے اختیار کسی سکینت و طمانیت کے مامن کی تلاش ہوتی ہے تو خانقاہ امدادیہ کی یاد آتی ہے لیکن ڈر تھا کہ معلوم نہیں کہ اجنبیت و بیگانگی سے میرے متعلق کیا کیا اب تک پہنچا ہو اور آپ مجھے تخاطب کا اہل بھی سمجھیں یا نہیں۔ میں تو اس رسالہ استفتاء کا ممنون ہوں کہ اس اجنبیت و بیگانگی کی جگہ اس کی بدولت موانست و یکجہتی کی صورت پیدا ہوئی، اب میں اس کشمکش کی منزل میں ہوں جس میں علوم ظاہری تسکین کے باعث نہیں بنتے۔ دعاء کا طالب و ہمت کا خواستگار ہوں۔

نقل جواب از حضرت دامت برکاتہم

مولانا المحترم دامت فیوضہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛ عجیب بات ہے کہ انبساط کا قصد نہ میرا تھا نہ جناب کا دونوں طرف اتفاقاً ہی اس کے اسباب پیش آ گئے اس طرف کا واقعہ تو جناب نے تحریر ہی فرمادیا اس طرف یہ واقعہ ہوا کہ میں نے بالتعیین کسی بزرگ کے پاس رسالہ بھیجنے کو نہ کہا تھا دو وجہ سے ایک یہ کہ مجھے بزرگوں کی فہرست ہی غیر مکمل معلوم ہے دوسرے کسی کو ایسی تکلیف دیتے ہوئے ہمت نہیں ہوتی خصوصاً اگر میرا یہ کلام ہو تو بے حد حجاب ہوتا ہے یہ رسالہ میرے ہمشیرہ زادہ نے لکھا ہے اگرچہ میرے ہی کہنے سے لکھا ہے چونکہ آج کل عام طباع حالت پر نظر کر کے اس استفتا کی مضرت عالیہ کا قوی اندیشہ تھا اس کے انسداد کی سب سے انفع تدبیر علماء کی موافقت کا حاصل کرنا ذہن میں آیا کہ عوام پر اس کا خاص اثر ہوتا ہے اس لیے میں نے عزیز موصوف کو مصارف دے کر مشورہ دیا کہ جہاں جہاں مناسب ہو بھیج دیا جائے میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے جناب کو بھی تکلیف دے کر اس کا موقع دیا کہ میں جناب کا مخاطب بن سکا۔

(لفافہ واپسی پر بھی عبارت انہی کی ہے جس کی نہ مجھ کو خبر نہ میں اپنا معتقد اور اب تو کیا جب کہ سب لکھا پڑھا بھی تقریباً غائب ہو گیا جب برائے نام علمی خدمت میں مشغول تھا تب بھی ایسے وساوس سے اللہ تعالیٰ نے بچایا)

غرض یہ واقعہ ادھر سے بہرحال حجاب مرتفع ہونے کے بعد اب مضامین مبحث کا جواب عرض کرتا ہوں۔ جناب کی تواضع نے ضرور مجھ کو ایک معتد بہ درجہ میں معتقد بنادیا اور غالب یہ ہے کہ آیندہ اس میں اضافہ اور قوت ہو۔ باقی طرز عبارت یا استدلال کی پسندیدگی و عدم پسندیدگی اس کے متعلق اعتقاد دلی سے ایک نظیر عرض کرتا ہوں کہ سادے کپڑے پہننے والے کو میری رائے میں کسی طرح یہ حق نہیں کہ رنگین کپڑے پہننے والے کو ناپسند کرے بشرطیکہ مقصود ستر مشروع محفوظ رہے اور زبان کا فیصلہ سو دونوں شقوں کے اختیار کرنے سے مجھ کو ایک ایک عذر مانع ہے اردو زبان تو آپ کی شان سے گری ہوئی ہے اور عربی سے میری شان گری ہوئی ہے کیونکہ میں عربی لکھنے پر قادر نہیں اس لیے اس کو جناب ہی کی رائے پر چھوڑتا ہوں مسئلہ کے متعلق حسن عنوان سے رائے سابق ظاہر فرمائی ہے غالباً اس سے سہل اور دل میں اتر جانے والا عنوان کم ذہن میں آتا ہے **بارک اللہ فی معارفکم**۔ عبارت کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے اس سے میں کاتب عبارت کا زیادہ معتقد ہو گیا کہ ماہر کی شہادت ہے باقی اپنی حالت قصور باع فی العربیہ کو پہلے عرض کر چکا ہوں اس لیے میں کاتب کے متعلق اپنے اعتقاد کو غیر ماہر کی شہادت ہونے سے شہادت ناقصہ سمجھتا ہوں۔

آخر میں جو خانقاہ کے متعلق اپنا انجذاب اور اس کے ساتھ کچھ موانع کا ذکر فرمایا ہے اگر خانقاہ میں حضرت شیخ قدس اللہ سرہ رونق افروز ہوتے تو یہ سب مضامین حقیقت پر منطبق ہوتے لیکن اب بعض حسن ظن پر منطبق ہو سکتے ہیں اس سے آگے ہیچ۔ البتہ زیادہ تکلیف کرنے کو بھی اعادہ حجاب سابق اور موہن انبساط لاحق سمجھ کر پسند نہیں کرتا۔ اس لیے بلا تکلف معاملہ کی سچی بات عرض کرتا ہوں کہ جناب کا یہ حسن ظن اگر کسی روایت پر مبنی ہے تو لا یوثق بہ۔ اور اگر ذوقی و وجدانی ہے تو دوستی کرنے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ مجھ کو علوم میں مخاطب نہ بنایا جائے کہ اسی سے معریٰ ہونے کو اوپر عرض کر چکا ہوں **و الصدق ینجی**۔ والسلام۔

التماس۔ جناب کا الطاف نامہ رکھ لیا ہے اگر اجازت ہوگی اس کے بعض جملہ جن کا تعلق مسئلہ سے ہے تقریظ کے ساتھ منضم کر دیے جائیں گے۔ یہ کاتب کی درخواست ہے جس کے قبول فرمانے میں جناب بالکل آزاد ہیں اگر مصلحت یا طبیعت کے ذرا بھی خلاف ہو ممانعت

پر بھی وہی مسرت ہوگی جو اجازت پر ہوگی فقط۔ از تھانہ بھون۔

مکتوب حسن العزیز

نقل خط دوم مولانا سید سلیمان ندوی بخدمت حضرت تھانوی مدظلہم

حضرت ہادی طریقت۔متع اللہ المسلمین بطول بقائکم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

والا نامہ جو لطف وعنایت سے بھرا ہوا تھا ورود فرما ہوا اس سے ایک پریشان ومشتت البال کی سکینت ہوئی مولانا میں آپ کی دعا ودعوت کا بہترین مستحق ہوں مسائل علمی کی الجھن سے نجات کا خواستگار نہیں بلکہ روح کی الجھن سے نجات کے لیے دعا وہمت کا طالب ہوں۔میں نے اعتزال سے لے کر سلفیت تک بمدارج ترقی کی ہے عقائد میں امام مالک کے اس اصول کا پیرو ہوں۔الاستواء معلوم والکیف مجہول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ۔سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ کی تالیف وتدوین میں خواہ مجھ سے غلطیاں ہوئیں مگر اس مصروفیت نے ذات نبوی کے ساتھ ایک جذبہ محبت پیدا کردیا ہے وللہ الحمد۔فقہ میں متاخرین کا متبع نہیں مگر اہل حدیث بالمعنی المتعارف نہیں ہوں۔ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا تہ دل سے ادب کرتا ہوں اور کسی رائے میں ان سے کلیتہ عدول حق نہیں سمجھتا۔

میرا خاندان صوبہ بہار میں علم ظاہر وباطن کا جامع رہا ہے والد مرحوم ابوالعلائی المشرب تھے۔بھائی صاحب مرحوم مجددی تھے اور دونوں صاحب حال ونسبت تھے۔بچپن ان بزرگوں کے آغوش میں بسر ہوا۔ذکر ومراقبہ اسی سن سے شروع کرایا مگر برا ہو علم باطل کا جس نے مدتوں کے لیے اس راہ سے ہٹا دیا۔اور خدا جانے کہاں کہاں ٹھوکریں کھائیں اور اب جب مرحلہ اربعین سے گذر کر ہوش آیا تو ان بزرگوں کا سایہ سر سے اٹھ چکا ہے۔میں نے یہ کیفیت اس لیے لکھ دی تاکہ جناب میرے مستقبل کی اصلاح میں میرے ماضی سے باخبر رہیں۔میرے لیے کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمائیں کہ مجھ میں استقامت وثبت ورغبت الی الطاعات پیدا ہو۔فرائض کا پابند ہوں۔بدعات سے نفور ہوں۔کبھی کبھی ذوق سجود کی لذت بھی پاتا ہوں۔امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے سلسلہ سے

عقیدت تامہ ہے۔خرافات وطامات صوفیہ کا منکر ہوں صالح نہیں لیکن صلاح حال کا دل سے خواستگار ہوں۔

یوروپ کے مذہبی وعلمی حملوں کے مقابلہ میں اسلام کی خدمت کا ولولہ ہے اب تک پچیس برس کا زمانہ انہیں مشاغل میں گذرا۔اب آپ سے دعا کا طالب ہمت کا خواستگار اور حصول اخلاص اور اصلاح قلب کے لیے کسی نسخہ کا سائل ہوں۔

رسالہ (کشف الدجی عن وجوہ الربوا) پر جو کچھ قلم نے یاوری کی ہے مولوی ظفر احمد صاحب کے خط میں ہے۔ والسلام ۲۱/شعبان ۱۳۴۸ھ

نقل بجواب خط مولانا سید سلیمان ندوی

از حضرت مولانا تھانوی مدظلہ

بخدمت مکرمی محترمی دام فیضہم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الطاف نامہ نے مسرور فرمایا اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو مسرور رکھے بہ مسرت ظاہرہ باطنہ سب سے اول اس عنوان کی تبدیل کے متعلق درخواست کرتا ہوں جس سے مجھ کو خطاب یعنی ہادی طریقت۔اس کو دیکھتے ہی ذہن میں یہ وارد ہوا کہ ؎ او خویشتن گم ست کرا رہبری کند

اور یہ بھی صلاح کار کجا و من خراب کجا

اگر جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ؎

بیا جامی رہا کن شرم ساری ز صاف و دود پیش آ رانچہ داری

فوراً ذہن میں نہ آجاتا تو عجب نہیں کہ یہ عنوان خطاب غایت درجہ کی خجلت زا ہونے سے عرض جواب سے عذر مانع ہوجاتا۔مگر اب صرف اس درخواست پر اکتفا کرتا ہوں کہ جو عنوان میں نے اختیار کیا ہے اس سے تجاوز نہ فرمایا جاوے گو میں اس کا بھی اہل نہیں مگر عرف کی رعایت میں زیادہ اہلیت شرط نہیں اس کے بعد الطاف نامہ کا جواب عرض کرتا ہوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے یا درخواست ہے کہ میرے معروضات کو قول فیصل نہ خیال فرمایا جاوے بلکہ خذ ما صفا و دع ما کدر پر عمل رہے اور اس انتخاب سے مجھ کو مطلع فرمانا بھی

ضروری نہیں۔

اب بے تکلفی سے جواب عرض کرتا ہوں مجھ کو اس سے خاص مسرت ہوئی کہ میرا معروضہ کسی درجہ میں موجب سکینت ہوا۔ اور بالیقین یہ اثر میرے عریضہ کا نہیں محض جناب کے حسن ظن کا ہے اور عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ حسن ظن کے محل سے عطایا تقسیم فرماتے ہیں اس حسن ظن سے انشاءاللہ تعالیٰ مجھ کو بھی اپنے نفع کی امید ہے **فصدق اللہ رجاءنا جمیعا**۔ اور یہی توقع نفع حسن ظن کی بنا پر سبب ہے میری جرأت مکاتبت کا ورنہ صلاح کار کجا و من خراب کجا میں دل سے دعا کی خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھتا ہوں اور اس کا طالب بھی ہوں۔

جناب نے جو بے تکلف اپنا مسلک تحریر فرما دیا اس سے میری عقیدت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو گیا۔ دو وجہ سے۔ ایک صدق و خلوص پر دال ہونے سے دوسرے خود مسلک کے پاکیزہ ہونے سے تمام اہل حق کا یہی مسلک ہے کسی جزو کے تفاوت سے حقیقت نہیں بدلتی صرف رنگ بدلتا ہے چنانچہ اس احقر پر دو جگہ دوسرا رنگ ہے ایک یہ کہ میں بوجہ اپنی قلت روایت و درایت کے متاخرین کا بھی متبع ہوں دوسرے یہ کہ صوفیاء کے اقوال و احوال کو محتمل تاویل سمجھتا ہوں۔ **الا من تحقق بطلانھم بالقطعی**۔

شرف و برکات خاندانی سے حقیقۃ الحقیقہ تک وصول کی بہت جلدی اور قوی امید ہو کر خاص طمانینت و مسرت ہوئی **اللھم افعل و قد فعل انشاءاللہ تعالیٰ** اس ضمن میں میں نے بھی اپنا کچا چٹھا اس لیے عرض کر دیا کہ آپ کو **خذما صفا و دع ما کدر** پر عمل فرمانے میں سہولت ہو۔ دوسرے طبعاً یوں چاہا کرتا ہوں کہ اپنے احباب سے اپنا کوئی راز مکتوم نہ رہے۔ میری رائے میں اس سے تعلق بڑھتا ہے اور یہ ایک خاص نعمت ہے اللہ تعالیٰ کی کہ دو مسلمانوں میں خاص اور خالص تعلق رہے اور اس مصلحت سے آج ہی ایک رسالہ جو میرے رسالہ کی تسہیل ہے روانہ خدمت کرتا ہوں۔ اصل بھیجنے سے معذور رہا اس وقت یہی موجود تھا۔ اس سے میرا مسلک جو طریق کے متعلق ہے ضروری درجہ میں واضح ہو گا اس کے بعد جناب نے اپنے نسخہ کی فرمائش فرمائی ہے جو خاص آثار کے لیے مثمر ہو اس کا صحیح عذر تو صفحہ اول

میں عرض کر چکا ہوں کہ ؎ صلاح کار الخ اور ؎ اوخویشتن الخ لیکن اسی کے ساتھ جناب کا حکم اور جامیؒ کا ؎ رہا کن شرم ساری اور اپنی درخواست خذ ما صفا الخ اس مجموعہ نے حیا کو امتثال امر سے مغلوب کر کے چند سطریں عرض کرنے کی جسارت دلائی۔ اور یہ سطریں بطور اصول موضوعہ کے ہیں اگر پسند فرمائی جائیں گی تو آئندہ عرض معروض کرنے میں مجھ کو یکسوئی رہے گی کیونکہ ان کا اکثر حصہ انہیں اصول کے فروع ہوں گے ان اصول کا خلاصہ ایک ہی اصل ہے وہ یہ کہ مامور بہ وجوباً یا استحباباً صرف افعال ہیں انفعالات نہیں۔ مثلاً استقامت و مثبت و رغبت الی الطاعات والتزام فرائض و تنفر عن البدعات ولذت و ذوق و اخلاص و اصلاح قلب و امثالہا ان میں جو چیز ہے یا بعض چیزوں کے جوارحی افعال میں وہ مامور بہ ہیں کیونکہ وہ اختیاری ہیں اور جو انفعالات ہیں وہ مامور بہ نہیں کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں البتہ وہ انفعالات بعضے مطلق اور بعضے خاص احوال میں محمود ضرور ہیں اور اس درجہ میں مطلوب بھی ہیں مگر وہ سب آثار و ثمرات انہیں افعال کے ہیں اور وہ افعال ہی ان کے اسباب ہیں کہ ان کی طرف فی الجملہ مافی الاکثر مفضی ہیں ان کے علل نہیں کہ ان سے متخلف ہوں اگر تخلف بھی ہو تو مضر نہیں کیونکہ اصل مقصود یعنی قرب و رضائے خدا تعالیٰ کی وہ شرط نہیں۔ فقط

نقل خط سوم سید سلیمان صاحب ندوی

حضرت اقدس دام فضلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

(۱) نادم ہوں کہ دیر کے بعد حاضر ہو رہا ہوں رمضان المبارک سے کچھ دن پہلے والا نامہ مع رسالہ تسہیل قصد السبیل شرف افزا ہوا تھا رسالہ تو اسی زمانہ میں ایک روز میں پڑھ لیا اور اس کے مطالب کو سمجھ لیا۔ (۲) رمضان المبارک کے ایام مبارکہ میں تکلیف دینے سے احتراز کیا اور مولوی ظفر احمد صاحب کو اس کی اطلاع اور رسالہ کی رسید بھیج دی۔ شوال میں خط لکھنے کا ارادہ تھا مگر اوائل شوال سے آج سے چند روز پیشتر تک سفر میں گذرا اور موقع نہ ملا۔ (۳) رسالہ تسہیل کو پڑھ کر سب سے پہلا اثر جو دل پر ہوا یہ تھا کہ یہ راہ سخت

مشکل ہے۔(۴) دوسری چیز یہ معلوم ہوئی کہ ان جزئیات فقہیہ کا جن کا اس میں ذکر ہے میرے لیے تحقیق طلب تھا میں نے بات صفائی سے لکھ دی ان اللہ لا یستحی من الحق۔(۵) رمضان المبارک میں عشرہ اواخر میں بعد سحر و نماز صبح میں کچھ دیر کے لیے سوتا تھا میں نے اس میں دو دن خواب دیکھا اپنے کو دیکھا کہ میں مدراس میں ہوں۔ حضرت والا بھی مع اپنے ہمراہیوں کے ایک مکان میں فروکش ہیں آپ کے ہاتھ میں بہت بڑی تسبیح ہے"۔

ان خطوط کا سلسلہ وقفہ وقفہ سے جاری رہا مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ بالمشافہ ملاقات کی نوبت ابھی تک نہیں آئی تھی مگر طرفین سے انسیت اور ایک دوسرے کی رعایت و حفظ مراتب میں اضافہ ہوتا رہا۔ ادھر ندوۃ العلماء، دارالمصنّفین اور ہندوستان میں یہ خبر گرم ہو رہی تھی کہ "سید صاحب" کا رجحان مولانا تھانوی کے یہاں جانے کا ہو رہا ہے۔ والد صاحب کی خواہش تھی کہ خاموشی کے ساتھ ملاقات کی کوئی شکل نکل آئے۔ بالآخر ۱۹۳۵ء میں اچانک یہ موقع اس طرح ملا کہ والد صاحب سہارن پور ایک حکومت کی عربی کمیٹی میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے واپسی میں اچانک ہی تھانہ بھون بغیر کسی پہلے سے طے شدہ پروگرام کے خانقاہ امدادیہ چلے گئے اور مولانا تھانوی کو ان کے گھر پر اپنے وہاں آنے کی اطلاع کرائی۔ اس پہلی ملاقات کا دلچسپ حال اشرف السوانح میں بھی ہے اور مولانا ماجد دریابادی کی کتاب حکیم الامت نقوش و تاثرات میں بھی ہے۔ مولانا تھانوی کا بیان دلچسپ ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی صاحب دفعۃً تشریف لائے۔ میں مکان پر تھا۔ سنتے ہی حاضر ہوا۔ میرے ذہن میں ان کا جثہ طویل و عریض تھا۔ مگر معتدل الخلقت پا کر قلب کو بہت اُنس ہوا پھر ملاقات و مکالمت سے ان کی تواضع و سادگی و رعایت جلیس دیکھ کر تو مسخر ہی ہو گیا۔ گیارہ بجے تشریف لائے، ۳ بجے واپس تشریف لے گئے۔ مجلس میں بہت دیر تک ثنا خوانی کرتا رہا۔

(باقی)

تہذیب قوم نوحؑ

جناب محمد طارق غازی

(۳)

معجزات کی منطق : سفینۂ نوح کو حضرت نوحؑ کا معجزہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں لازم آئے گا کہ ان کی جہاز سازی ان کی قوم کو اس میدان میں عاجز کردے۔ چند مثالیں قابل توجہ ہیں۔ عربیہ کے عہد جاہلیت میں شعر اور محاسن ادب کا وہ مقام تھا کہ شاعروں میں بہترین قصیدوں کے مقابلے ہوتے اور سب سے اچھے قصیدہ کو سونے کے پانی سے لکھوا کر دیوار کعبہ پر آویزاں کر دیا جاتا تھا۔ وہ قوم جو اپنے سامنے باقی دنیا کو عجمی (گونگے) کہتی تھی کسی ایسے ہی کلام سے عاجز آ سکتی تھی جو ادبی محاسن کے اعتبار سے سبعہ معلقات پر فائق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم رسول اللہؐ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ حضرت ادریسؑ کو طبیعیات، فلکیات اور ریاضی میں ایجادات کا ملکہ عطا ہوا کہ ان کی قوم ان علوم میں دست گاہ رکھتی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کو تسع آیات (نو معجزے) (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۰۱؛ النمل ۲۷: ۱۲) دیے گئے کیونکہ ان کے مقابل سائنسی عجائبات اور صحت عامہ کے اعلیٰ معیار پر قائم ایک قوم تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کو بیک جنبش لب جذامیوں کو اچھا کر دینے کا معجزہ دیا گیا کیونکہ اس دور میں بنی اسرائیل میں کوڑھ، برص اور جذام کا مرض بہت پھیل گیا تھا۔ حضرت صالحؑ نے اشارہ کیا تو پہاڑ شق ہوا اور اس میں سے پہاڑ جیسی بلند و بالا ایک اونٹنی اور اس کا بچھڑا نکل آئے۔ سب جانتے ہیں کہ قوم ثمود مہیب پہاڑوں کو کاٹ کر محلات بنانے کی سائنس کی ماہر تھی۔

انبیاء کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں۔ اس سنت انبیاء کے پیش نظر دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ قوم نوحؑ جہاز سازی کی صنعت میں کمال رکھتی تھی۔ امریکہ کی تعلیمی اور

ڈائریکٹر امم اسٹڈیز ہاؤس (USH) ٹورانٹو، کینڈا۔

تحقیقی ٹیلی ویژن قناہ پبلک براڈ کاسٹنگ سروس (PBS) نے ایک تحقیقاتی دستاویزی فلم میں یہ بتایا تھا کہ حضرت نوحؑ کی قوم بحری تجارت کرتی تھی اور حضرت نوحؑ خود بھی تاجر تھے اور تجارتی بحری سفر کرتے رہتے تھے۔تو کیا عجب جو اس قوم کے سرداروں کو عاجز کرنے کے لیے ایک ایسا سفینہ تعمیر ہوا کہ قوم کے بڑے دھنا سیٹھ چودھری اور تکبر کے مارے ہوئے ماہرین فنون دنگ اور گنگ رہ جائیں۔ دوسرے یہ کہ چونکہ سفینہ چشم زدن میں نہیں بن گیا تھا۔اس میں خاصی طویل مدت لگی تھی اس لیے ثابت ہوا کہ حضرت نوحؑ خواہ بذریعہ وحی خواہ بذریعہ تعلیم دنیوی جہاز سازی کے علم وفن کے اتنے بڑے ماہر تھے کہ ان کے سامنے قوم کے سارے زبان درازوں کی زبانیں بند ہوجائیں۔

کھسیائے ہوئے ماہرین حرفت: چنانچہ روایات کے مطابق جب سفینہ بن رہا تھا تو چودھریوں کا تکبر کھسیاہٹ میں تبدیل ہو چکا تھا۔اکثر مفسرین قرآن کی تشریح یہ ہے کہ قوم کے سردار جھینپے ہوئے کہتے۔خشکی پر جہاز بنا رہے ہو یہاں پانی کہاں ہے۔

سورہ ھود(۳۸:۱۱) کی تفسیر میں امام اندلسی (بحر المحیط ۲۲۲:۵) نے لکھا کہ سفینہ بنتے دیکھا تو قوم کے سردار مسخرہ پن کرنے لگے۔انہوں نے سفینہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔پوچھا،نوحؑ کیا کر رہے ہو،انہوں نے کہا ایک ایسا گھر بنا رہا ہوں جو پانی پر چلے گا۔سرداروں کو یہ سن کر تعجب ہوا (عجبوا) اور لگے مذاق اڑانے۔انہوں نے مقاتل کے حوالہ سے مزید لکھا کہ جہاز قریہ میں سمندر سے دور بنایا جارہا تھا اس لیے لوگوں نے مضحکہ کیا اور کہا،اے نوحؑ اب بڑھئی بن گئے،پہلے نبی تھے۔ایک اضافی بات یہ بھی کہی کہ اگر قوم نوحؑ میں جہاز سازی معروف تھی تو لوگوں کو حیرت تھی کہ جہاز سمندر سے دور کیوں بنایا جارہا ہے۔امام بیضاویؒ (انوارالتنزیل ۳: ۲۳۳) نے بھی یہی باتیں لکھی ہیں کہ لوگ مذاق اڑاتے کہ زمین پر پانی سے دور جہاز بنایا جارہا ہے اور استہزاء کرتے کہ نوح پہلے نبی تھے،اب بڑھئی بن گئے۔امام پانی پتی (تفسیر مظہری ۲۸:۶) نے کہا کہ قریب کہیں پانی بھی نہیں تھا اس لیے لوگ ٹھٹول کرتے اور کہتے نوح پہلے تم نبی تھے اب درودگر ہوگئے۔مولانا مفتی محمد شفیع (معارف القرآن ۶۱۸:۴) نے لکھا کہ قوم نوحؑ میں کسی رئیس کا ان پر گزر ہوتا تو ان کو کشتی بناتا دیکھ کر اور یہ سن کر کہ طوفان آنے والا ہے ان سے ہنسی کرتے کہ دیکھو پانی کا کہیں نام ونشان نہیں مفت مصیبت جھیل رہے ہیں۔ابن کثیر (ر:تفسیر ۵۹۹:۱۲) نے کہا کہ سفینہ بنتے دیکھ کر کافروں

کو ایک مذاق ہاتھ لگ گیا۔ وہ چلتے پھرتے انہیں چھیڑتے اور باتیں بناتے۔

کفار کے لیے خود سفینہ سازی باعث حیرت نہ تھی۔ وہ خود یہ کام جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت نوحؑ بھی اس کام میں ماہر ہیں۔ مولانا مفتی محمود (تفسیر محمود، ۱: ۲۰۳۲) لکھتے ہیں حضرت نوحؑ کشتی سازی کے ماہر تھے، لیکن پیغمبر کی حیثیت سے کام کررہے تھے۔

ایک قابل ذکر فنی نکتہ یہ ہے کہ آبی جہاز چوبی ہوں یا دھاتی، سب خشکی ہی پر بنائے جاتے ہیں اور مکمل ہونے کے بعد ان کو پانی میں اتارا جاتا ہے۔ پانی کے اندر جہاز تو کجا چھوٹی کشتی بھی نہیں بنائی جاتی۔ قوم نوحؑ کا استعجاب اس معنی میں نہیں تھا، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ جہاں سفینہ کی تعمیر جاری تھی اس کے قریب دریا تھا نہ سمندر کہ تعمیر کے بعد اس میں جہاز اتارا جائے۔ مگر حضرت نوحؑ جانتے تھے اور ظاہر ہے یہ علم انہیں بذریعہ وحی دیا گیا تھا کہ جہاز کے کارخانہ کو گزوں پانی کے اندر ڈوب جانا ہے اور وہیں سے سفینہ تیرنے لگے گا۔ وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا (ھود ۱۱: ۳۷) ''سفینہ بناؤ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق'' سے یہی علم اور حکم مراد ہے۔

کفار کے تعجب کا سبب: ان تفاسیر کے بین السطور سے چند معانی اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جب سفینہ کی تعمیر چل رہی تھی تو اہل ایمان پر کفار کے مظالم ختم ہوگئے تھے اور وہ صرف حیرت و تعجب میں مبتلا ہوگئے تھے۔ دوسرے یہ کہ آنے والے عذاب کا ڈر ان کے دلوں میں سما چکا تھا اور خود کو سنبھالے رکھنے کی خاطر وہ تمسخر اور استہزاء پر اتر آئے تھے۔ تیسرے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بحری جہاز تو انھوں نے یقیناً دیکھے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اس قسم کے سفینہ بحر ہی میں چلتے ہیں، خشکی پر نہیں، مگر تعجب دراصل اس سفینہ کے طول و عرض پر تھا کیونکہ اتنا بڑا جہاز ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آیا تھا۔ اس سے ایک بات اور ثابت ہوتی ہے کہ سفینہ اتنا بڑا نہیں تھا جتنا بائبل میں بتایا گیا ہے، بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ وسیع و عریض تھا، اسی لیے قوم کی قوم حیرت میں پڑی ہوئی تھی۔ تفسیری بیانات کے سیاق و سباق سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ سفینہ نوحؑ کچھ بہت ہی حیرت ناک حد تک بڑا تھا کہ اس کو بنتے دیکھ کر ہی اس قوم کے بڑے بڑے ماہرین فن کے منہ کھلے رہ جاتے تھے۔ یہی ان کی کھسیاہٹ اور استہزاء کا سبب تھا۔

ذیلی طور پر ایک عمرانی نکتہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ انبیاء کے منکرین کو جب اختیار اور اقتدار

مل جاتا ہے تو اپنی طینت و سرشت کے اعتبار سے وہ ظلم اور تعدی پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ معجزہ ان کے ظلم کا جواب ہے۔ چونکہ معجزہ صرف نبی سے ظاہر ہوتا ہے، اس لیے اہل ایمان کا حق اور ان کے لیے انبیاء کی عمرانی سنت یہی ہے کہ اہل ایمان کو جب کبھی کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کا سامنا ہو تو بیچارگی اور رحم کی امیدوں اور جذباتی شور و شغب اور نالہ و شیون کے بجائے کفار کے میدان اختصاص میں وہ کوئی ایسا معجز نما کارنامہ کر دکھائیں کہ ان معاندین کے حوصلے ٹوٹ جائیں۔ یہی انبیاء کی سنت ہے اور اسی طرح منکرین حق نے ہمیشہ شکست فاش کھائی ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کو تمام انبیاء پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے جس کی حکمت یہی ہے کہ انہیں تمام انبیاء کے معجزات کی روحانی میراث حاصل رہے۔

حضرت نوحؑ کا سفینہ اس حکمت عملی کا ایک عمدہ نمونہ تھا۔ لیکن اس کی پیمائشوں کے سلسلہ میں اگر بائبل کے بیانات پر تکیہ کیا جائے تو کسی قوم کی حیرت کا سبب ہی دریا برد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ سفینہ نوحؑ جیسا عظیم، وسیع و عریض بحری جہاز دنیا میں کبھی نہیں بنا تھا اور نہ بعد میں ایسی کوئی روایت ملتی ہے کہ اس سے بڑا سفینہ اور اس سے زیادہ ساز و سامان کا بحری جہاز کوئی قوم بنا سکی ہو۔

بے شک یہ ایک بہت بڑا دعویٰ ہے۔ لیکن قصہ نوحؑ کے حقائق کو یکجا کر کے ان پر ایک نظر غائر ڈالی جائے تو اس عظیم الشان جہاز کا نقشہ ذہن میں آتا ہے، قوم نوحؑ کی تہذیبی اور مادی ترقی کا درست اندازہ قائم ہوتا ہے اور علوم اسماء اور معرفت اشیاء میں ان کا اصل معیار متعین ہوتا ہے۔

کوئی بھی شخص سفینہ نوحؑ کی صحیح پیمائش نہیں بتا سکتا۔ اس لیے ایسی کوشش بے کار ہے۔ البتہ کچھ امور کی مدد سے مناسب نتائج ضرور اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

نجات پانے والوں کی تحقیق: سب سے پہلی بات یہ کہ سفینہ کے مسافر کتنے تھے؟ اس پر ابتدا میں تفصیلی بات ہو چکی ہے اور ۸۰ مرد و زن کی تعداد کو قابل قبول مانا گیا تھا۔ اس لیے یہ مان کر چلنا ہے کہ سفینہ میں مسافر اور ان کے رہنما اور ہادی حضرت نوحؑ کو ملا کر ۸۱ ورنہ ۸۰ لوگ تھے۔

دوسرا نکتہ سفینے کے طبقات کا ہے۔ امام قرطبی (احکام القرآن ۹: ۳۲) نے حضرت ابن عباسؓ سے منسوب ایک روایت نقل کی ہے کہ اس جہاز کے تین طبقے تھے: سب سے نچلا طبقہ مویشیوں، درندوں اور دیگر انواع کے جانوروں کے لیے تھا، درمیانی طبقہ غذائی اجناس اور پینے

کے پانی کے لیے اور بالائی طبقہ انسانوں کے لیے رکھا گیا تھا۔اس موضوع پر تفاسیر میں اور بیانات بھی آتے ہیں جن کا لب لباب بھی کم وبیش یہی ہے۔ان کے مطابق ایک تابوت میں حضرت آدمؑ کا جسد مبارک سفینہ کے بالائی طبقہ کے درمیان طولان میں رکھ دیا گیا تھا جس کے ایک طرف مردانہ حصہ تھا اور دوسری طرف زنانہ۔

تیسرا نکتہ سفینہ میں نجات پانے والے جانوروں کا ہے۔قرآن حکیم میں حکم دیا گیا اِحۡمِلۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ (ھود۱۱:۴۰) ہر ایک (قسم کے جانوروں) میں سے جوڑے (ایک ایک نر اور مادہ کو سفینہ میں) سوار کر لو۔امام قرطبی نے اس کی تفسیر (احکام القرآن ۹: ۴۳۔ ۴۴) میں لکھا ہے کہ اللہ نے ایک ہوا چلائی اور حضرت جبریلؑ کو ان جانوروں کو ایک جگہ جمع کرنے پر مامور کیا۔جانوروں میں درندے، پرندے، مویشی، وحوش و بہائم سب شامل تھے۔بائبل کے اردو نسخہ (تکوین ۶: ۱۹۔ ۲۰) میں ہے کہ حضرت نوحؑ کو حکم ہوا کہ جانوروں کی ہر قسم میں سے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے لو تا کہ وہ تیرے ساتھ جیتے بچیں۔وہ نر و مادہ ہوں اور پرندوں کی ہر قسم میں سے اور چرندوں کی ہر قسم میں سے اور زمین پر رینگنے والوں کی ہر قسم میں سے دو دو تیرے پاس آئیں تا کہ وہ جیتے بچیں۔امام قرطبی (احکام القرآن ۹: ۴۴) نے امام طبری کے حوالہ سے ایک حدیث بھی بیان کی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ حضرت نوحؑ نے تمام درخت بھی سفینہ میں جمع کیے جن میں عجوہ کھجور بھی تھی جو اصل میں جنت کا پھل ہے۔

سفینہ میں جانوروں کی تعداد: انسان مسافروں کی تعداد تو متعین کر لی گئی، لیکن کوئی اندازہ، کچھ قیاس ہے کہ سفینہ میں کتنے جانوروں کے جوڑے ہوں گے؟ اس کا فیصلہ آسان نہیں ہے۔ ڈسکوری (Discovery) نامی امریکی سائنسی تحقیقی ادارہ کی جانور شماری میں ۷ لاکھ ۷۰ ہزار قسموں کی نواۃ گنی گئی ہیں جن میں انواع (species) کی تعداد ۸۷ لاکھ سے زیادہ ہے۔ان میں سے پستانیوں کی تعداد ۵۴۹۰ ہے، پرندوں کی ۹۹۹۸ نوعیں ہیں اور زمین پر رینگنے والے مہرہ دار (ریڑھ کی ہڈی والے) جانوروں کی ۹۷۶۸ قسمیں شمار کی گئی ہیں۔ایک اندازہ کے مطابق دنیا میں ۵۸،۰۰۰ قسم کے چھوٹے بڑے مہرہ دار جانور پائے جاتے ہیں (جوناتھن بیلی و دیگر اے گلوبل سپیشیز اسسمنٹ Jonathan Baillie, A Global Species Assesment [ایک عالمی تخمینۂ

انواع] (۲۰۰۴)، ورلڈ کنزرویشن یونین)۔ ماہرین حیوانیات بتاتے ہیں کہ صرف ہرنوں کی ۳۴ قسمیں ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے ان میں سے حضرت نوحؑ کے زمانہ میں کتنے جانور موجود تھے جو معدوم ہو چکے ہیں اور تہجین نیز ایک ہی نوع کی دو قسموں کو باہم کدانے کے نتیجہ میں کتنی نئی وہ انواع وجود میں آ چکی ہیں جو زمانۂ نوحؑ میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ ارضیات اور حیوانیات کے ماہروں کی رائے ہے کہ دنیا میں دو بار ایسی بڑی تباہیاں آئیں جن میں جانوروں کی بڑی تعداد معدوم ہوئی تھی۔ چھ کروڑ ۶۰ لاکھ سال پہلے کسی نامعلوم حادثہ کی بناء پر عظیم الجثہ چھپکلیوں (ڈائنا سوروں۔dinasaurs) کی تمام بڑی قسمیں زمین سے مٹ گئی تھیں۔ اس کے بعد ۲۶ لاکھ سال پہلے برف کے زمانہ میں بھی جب سارا کرۂ ارض یخ بستہ ہو گیا تھا بہت سی انواع سخت سردی کی تاب نہ لا کر ختم ہو گئیں۔

اس تفصیل سے یہ ہرگز مراد نہیں یہ سب جاندار سفینۂ نوحؑ میں موجود تھے، بلکہ محض یہ تصور قائم کرنے کے لیے ہے کہ جانوروں کی کتنی ہزار بڑی قسموں کو سفینۂ نجات میں جگہ دی گئی ہوگی۔ مفسرین قرآن کی عمومی رائے ایک تو یہ ہے کہ انڈے بچے دینے والے جانوروں کو سفینہ میں جگہ دی گئی تھی، دوسری یہ کہ پانی کے تمام جانداروں کو شامل نہیں کیا گیا تھا کیونکہ وہ بہر حال پانی میں زندہ رہ سکتے تھے۔ اسی طرح مٹی اور کیچڑ میں از خود پیدا ہو جانے والے جانور جیسے کیچوے وغیرہ بھی فہرست سے خارج تھے۔ چنانچہ اگر صرف بڑے پستانیوں اور بیضانیوں ہی کو شمار کیا جائے تو بھی بلاشبہ کئی ہزار جانوروں کی بات کی جا رہی ہے۔ ان اقسام کے جانوروں کی مجموعی تعداد ۲۵،۰۰۰ ہزار سے زائد بتائی گئی ہے۔ صرف دلیل مرتب کرنے کی خاطر اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ان میں سے صرف ایک ہزار جانوروں کے جوڑوں کا انتخاب کیا گیا تھا تو سفینہ پر دو ہزار چرندے، درندے، پرندے اور خزندے (رینگنے والے) جانوروں کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ یہ تعداد ذہن میں رکھی جائے کیونکہ اسی بنیاد پر آگے بات ہوگی۔

دوران سفر کے انتظامات: قرآن حکیم اور بائبل میں سفینہ کی مدت سفر چھ ماہ مانی گئی ہے۔ اس موضوع پر بحث پہلے آ چکی ہے۔ مختصراً، بائبل کا بیان ہے کہ ۴۰ دن تک لگاتار بارش ہوتی رہی اور ۱۵۰ دن تک پانی چڑھتا رہا پھر اترنے میں بھی ۱۵۰ دن لگے (تکوین ۷:۱۱۔۱۲، ۲۴)۔ دس ماہ

بعد پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں (تکوین ۸:۱-۵)۔مفسرین قرآن اندلسی (بحرالمحیط ۵:۲۲۶)، بغوی (معالم التنزیل ۲:۱۷۹)، قرطبی (احکام القرآن ۳:۳۶)، پانی پتی (مظہری ۶:۳۳) نے سفر کی مدت یکم یا ۱۰ رجب سے ۱۰ محرم تک سات ماہ بتائی ہے۔ان میں اگرچہ یہ واضح نہیں کہ خشکی کا اندازہ کرنے کے لیے پرندے کب بھیجے گئے تھے،لیکن توراۃ سے استفادہ کرتے ہوئے دس سے بارہ ماہ کی کل مدت کو قابل اعتماد باور کیا جاسکتا ہے۔یہ مدت جو بھی ہو،دلیل کی خاطر سفر وانتظار کی کل مدت کو ایک سال مان لیا جائے تو آگے حساب کرنا اور بات کا سمجھنا سہل ہوجائے گا۔

ایک سال کی مدت میں ۸۱ مرد وعورت اور دو ہزار جانوروں کے کھانے کا کیا انتظام تھا؟

قرآن حکیم نے اس سوال کو اہل علم کے قیاس پر معلق کردیا۔چنانچہ امام قرطبی (احکام القرآن ۹:۳۲) کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کا تفسیری قول پھر یاد آتا ہے کہ سفینہ کے تین طبقات میں درمیانی طبق غذائی اجناس اور پینے کے پانی کے لیے خاص کردیا گیا تھا۔اس کا مطلب ہوا کہ سفینہ کے اندر انسانوں اور جانوروں کی ایک سال کی غذا کا عمدہ انتظام کیا گیا تھا۔ بائبل میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو حکم دیا: ’’اور تو ہر طرح کی کھانے کی چیز لے کر اپنے پاس جمع کرلینا کیونکہ یہی تیرے اور ان کے کھانے کو ہوگا‘‘ (تکوین ۶:۲۱)۔اس فقرہ میں ’’ان‘‘ کی ضمیر تمام انسان مسافروں اور جانوروں کا احاطہ کرتی ہے کیونکہ اس سے پہلے کے فقروں میں ہدایت دی گئی تھی کہ حضرت نوحؑ اپنے بیٹوں اور بہوؤں وغیرہ کے علاوہ ہر قسم کے جانوروں کے جوڑوں کو سفینہ پر سوار کریں۔

کہا جاسکتا ہے کہ انسان مسافر مچھلیاں پکڑ لیتے ہوں گے۔مگر یہ امکان مسدود تھا۔ ابن کثیر نے صراحت کی ہے کہ کشتی اوپر سے بالکل بند تھی۔بائبل کے مطابق بھی سفینہ کو مہر بند کردیا گیا تھا اور طوفان کے دوران باہر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔لہٰذا مچھلیاں پکڑنا خارج از بحث ہوگیا اور اگر سفینہ میں کبھی کبھی دروازے،کھڑکیاں کھول کر دریائی شکار کی کوشش کی گئی ہو تو ضروری نہیں تھا کہ روزانہ مطلوبہ مقدار میں مچھلی دستیاب ہوجائے،چناچہ ۲۰۸۱ جانداروں کی غذائی رسد کو اتفاقات کے حوالہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔یہ شان نبوت کے بھی مناسب نہیں تھا۔پھر توراۃ میں واضح طور پر غذا کا انتظام کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس مد کے انتظام کا حوالہ موجود ہے۔تو

غذا کی روزانہ رسد کا کیا اندازہ ہوگا۔ مولانا مفتی محمد شفیع (معارف القرآن ۴:۶۱۹) نے لکھا ہے کہ ''سفینہ اتنا وسیع وعریض تھا جس میں لوگ مع اپنی ضروریات کے سما سکیں تا کہ طوفان کے وقت (دوران) نجات پاسکیں''۔

سال بھر کی رسد کا تخمینہ: انسانوں کے لیے گندم کا آٹا کتنا درکار ہوگا۔ اوسطاً ایک شخص دن میں تین وقت میں چھ روٹیاں یا نان کھائے تو ہر شخص کے لیے روزانہ پون کیلوگرام آٹا درکار ہوگا، ۸۱ لوگوں کے لیے روزانہ اکسٹھ کیلوگرام آٹا چاہیے؛ اور ایک سال یا ۳۵۰ دن کے لیے ۲۱ ہزار کیلوگرام سے زیادہ آٹا اور تقریباً ۷۰۰۰ کیلوگرام گوشت، یعنی ۸۱ لوگوں کے لیے روزانہ آٹھ کے حساب سے سال بھر میں ۲۸۰۰ بکرے یا روزانہ ایک گائے، بیل یا اونٹ درکار ہوگا۔ چاول اور دال کا حساب چاہو تو الگ سے کیا جاسکتا ہے۔ مصالحوں کی مقدار کو نظر انداز کردیا جائے تب بھی نمک تقریباً ۹۰ کیلوگرام چاہیئے۔ گھی اور خوردنی تیل کے بجائے ذبیحوں کی چربی پر اکتفا کیا جاسکتا تھا۔ روزانہ فی کس دو لیٹر پانی پینے اور پکانے کے لیے؛ اوسطاً دس لیٹر پانی طہارت، وضو اور غسل کے لیے، یعنی فی کس بارہ لیٹر پانی، سال بھر میں ۸۱ لوگوں کو مجموعی طور پر ساڑھے تین لاکھ لیٹر صاف پانی درکار تھا۔ اگر مان لیا جائے کہ طوفان تھمنے کے بعد طہارت و وضو کے لیے پانی باہر سے لے لیا جاتا تھا تو بھی پینے کے پانی کا ذخیرہ تقریباً ساٹھ ہزار لیٹر ضروری تھا۔

بیک نظر سال بھر میں انسانوں کی غذا کا سادہ حساب یوں بیٹھتا ہے:

۲۸۰۰ بکرے یا ۳۵۰ بیل۔ ۲۱ ہزار کیلوگرام آٹا۔ ۹۰ کیلوگرام نمک۔ چاول، دالیں مصالحے اور سبزیاں حساب میں نہیں رکھے گئے۔ پینے کے لیے ۶۰ ہزار لیٹر سے زیادہ پانی کا ذخیرہ۔ روزانہ ۲۰۔۲۵ لیٹر دودھ جو سفینہ پر موجود بھینسوں گایوں سے حاصل کیا جاتا ہوگا۔

درندوں کے لیے ان کی غذا کے جانوروں کا بھی معاملہ تھا۔ امام قرطبی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ شیر کو جب سفینہ میں لائے تو حضرت نوحؑ نے سوال کیا اسے کھلاؤں گا کہاں سے۔ تو کہا گیا کہ اسے مشغول کردیا جائے گا، چنانچہ شیر ببر کو بخار آگیا اور اسی وقت سے دنیا میں بخار شروع ہوا۔ یہ روایت جی کو نہیں لگتی۔ اول تو ایک شیر ببر ہی گوشت خور درندہ نہیں تھا۔ دوسرے جانور شیر، چیتا، بھیڑیا، لکڑبگھہ، تیندوا، لومڑی، عقاب، چیل، کرگس وغیرہ کے لیے بھی یہی مسئلہ تھا۔ اگر ان کی

غذا کا انتظام تھا تو شیر ببر کے لیے مسئلہ کیوں بنا۔ دوسرے شیر ببر کا سال بھر کچھ بھی کھائے پیے بغیر بخار میں پڑے رہنا فطرت کے مغائر ہے۔ بدیہی بات یہ ہے کہ شیر اسد اور اسدنی کو روزانہ ایک دنبہ یا ہرن درکار تھا۔ شیر، چیتے وغیرہ کے لیے بھی روزانہ ایک بکری یا بندر کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان درندوں کی غذا کو اسی لحاظ سے دیکھا جائے۔

معجز نما وسائل: سبزہ خور جانوروں کا مسئلہ دیگر تھا۔ گھوڑے، خچر، ٹٹو، گدھے، گائے، بیل بھینس، بکرے دنبے وغیرہ کے لیے گھاس پھوس، دانہ چارہ اور پرندوں کے واسطے دانہ تنکا مطلوب تھا۔ ان تمام جانوروں کی غذائی ضروریات کا الگ الگ اندازہ قائم کرنا منظور نہیں ہے، توجہ اس بات پر مقصود ہے کہ کم از کم ایک ہزار انواع کے جانوروں کی غذائی ضروریات معمولی نہیں تھیں اور ان کا انتظام بھی کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ ان سب اشیاء کا انتظام ضرور کیا گیا تھا۔ یہی نہیں، زمین پر اترنے کے بعد امت نوحؑ کو کھیت کیار کی طرف توجہ دینے میں مزید دو تین ماہ لگے تھے تاکہ سطح زمین کا پانی اس حد تک خشک ہو جائے کہ زراعت شروع کی جا سکے۔ اس مدت کے لیے بھی کم از کم انسانوں اور درندوں کو غذا درکار تھی۔ اس کے علاوہ مختلف اجناس کی فصلیں اور پھل پیدا کرنے کے لیے اناجوں اور پھلوں کے بیج بھی سفینہ کے خزانہ میں رکھے گئے ہوں گے۔

یہ انتظامات بجائے خود معجز نما تھے اور عام کفار نہیں مشرک سرداروں اور بتوں کے پروہتوں یعنی بزعم خود قوم کے اشراف کو دم بخود کر دینے کو کافی تھے۔ ان کے کھسیانے پن اور کھوکھلے تمسخر کی پول یہاں آکر کھل جاتی ہے کہ وہ جان گئے تھے۔ در توبہ بند ہو چکا تھا۔ ان کی قسمتوں پر مہر لگ چکی تھی۔ ان کے فرار کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ کوئی عجب نہیں جب حضرت نوحؑ اور ان کے مومن رفقاء سفینہ بنا رہے تھے اور سال بھر کی رسد ذخیرہ کر رہے تھے اس وقت مشرکین کو یہ اعلان یاد آ رہا ہو کہ:

يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (نوح ۷۱:۴)	(اللہ کی عبادت کرو، اس سے ڈرو اور اس کی اطاعت کرو تو) وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور موت کے مقررہ وقت تک مہلت دے گا، کیونکہ موت کا وقت آجائے تو ٹلتا نہیں، کاش تم ان باتوں کو سمجھتے۔

سفینہ کے سارے انسان و وحوش مسافروں کے سال بھی رسد کا ایک ہلکا سا اندازہ کیجیے اور پھر دیکھیے کہ وہ نبی جس نے باغی قوم سے کہا تھا کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں (ھود ۱۱:۳۱)، اس کے اللہ نے اپنے سارے خزانوں کے در اپنے مطیع و فرمانبردار بندہ پر کھول دیے تھے۔

ان تیاریوں کے تجزیاتی ذکر کا مقصد ذہنوں کو فقط اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا نہیں ہے کہ وہ سفینہ کتنا بڑا، کس قدر عظیم الشان، کیسا وسیع و عریض اور سائنسی اعتبار سے کتنا ترقی یافتہ ہوگا جس میں ۸۱ مرد و عورت، جانوروں کی کم سے کم ایک ہزار انواع اور قسمیں، ان سب کے لیے ایک سال کی ہمہ قسم غذاؤں، پینے اور کھانا پکانے کے پانی اور طہارت و وضو و غسل کے پانی کی گنجائش ہوگی، جانوروں کے بول براز روزانہ عرشہ سے دھونے کے لیے اضافی پانی کا انتظام، جس میں درندوں کے لیے اضافی غذائی جانوروں کے رکھنے اور ان کے استعمال ہونے تک خود ان کی غذا کا انتظام ہوگا۔ وہ جہاز جسے باہر سے مہر بند کر دیا گیا تھا۔ (تکوین ۷:۱۶)

اس تفصیل کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں تہذیب کا معیار بچکانہ، مبتدیانہ اور دیہاتی نہیں بلکہ علوم الاسماء اور حقیقت اشیاء کی ناقابل تصور وسیع معلومات کا نتیجہ تھا۔

بند سفینہ میں ہوا کا انتظام: بائبل میں تکوین ۷:۱۶ کا بیان ہے کہ سفینہ کو ''باہر سے بند کر دیا'' گیا تھا۔ اس بیان سے ایک نئی بات نکلتی ہے۔

سفینہ کے اندر ہوا کا کیا انتظام تھا؟ جہاز مکمل طور پر بند کر دیا گیا تھا کیونکہ ذرا سا بھی کھلا رہنے کی صورت میں شدید تموج کے عالم میں پانی سفینہ کے اندر آ سکتا تھا۔ طوفان کی شدت میں دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ ۴۰ گز پانی میں ڈوبا ہوا تھا (مفتی محمد شفیع/معارف القرآن ۴:۶۲۶) اور ایک لاکھ مربع میل کا رقبہ زیر آب آیا ہوا تھا۔ طوفان نوحؑ کے پانی کا ریلا کنیڈا کے نیاگرا آبشار کے بہاؤ سے دو سو گنا زیادہ تھا (والٹر پٹمن اور ولیم رائن، نوحز فلڈ، پی بی ایس۔ اورگ)۔ نیاگرا آبشار پر ایک سیکنڈ میں تقریباً چھ لاکھ لیٹر پانی بہتا ہے۔ طوفان نوحؑ کا بہاؤ ایک سیکنڈ میں گیارہ کروڑ ۳۶ لاکھ لیٹر بتایا جاتا تھا۔ جاپان میں ۲۰۱۱ء کے زلزلہ کے بعد کی سنامی نے بحر الکاہل میں ۴۴ گز اونچی موجیں پیدا کی تھیں، ساحل پر موجوں کی بلندی دس میٹر تھی اور پانی کا بہاؤ ایک سیکنڈ میں تقریباً نصف کیلومیٹر

تھا۔سائنس داں بتاتے ہیں کہ اس سنامی کی رفتار عام ہوائی جہاز کی رفتار ۹۵۰ کیلومیٹر فی گھنٹہ جیسی تھی۔ان حسابات کی رو سے طوفان نوحؑ اور سفینہ نوحؑ دونوں کی فی میل رفتار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

طوفان نوحؑ کے بارے میں روایت ہے کہ سفینہ موجوں کے اوپر نہیں بلکہ پانی کے اندر ڈوبا ہوا چل رہا تھا ’’جیسے مچھلی تیرتی ہے‘‘اس کے اوپر بھی پانی تھا اور اس کے نیچے بھی جس کا اشارہ الزجاج اور زمخشری وغیرہ نے دیا ہے۔(امام اندلسی، بحرالمحیط ۵:۲۲۶)

کھلا جہاز یا سربند آب دوز: آٹوا میں ایک محاضرہ میں یہ تفصیلات سننے کے بعد کینڈا کے ایک نوجوان مسلم سائنس داں تیمور عباسی نے خیال ظاہر کیا تھا کہ سفینۂ نوحؑ سطح آب پر چلنے والا عام کھلا جہاز نہیں بلکہ سربند آب دوز سفینہ تھا۔اگر ایسا ہو تو دنیا میں دوبارہ اتنی بڑی آبدوز آج تک نہیں بن سکی۔ایک مسلم سائنس داں کے اس قیاس کو رد نہیں کیا جاسکتا۔چنانچہ عین ممکن ہے کہ وہ آب دوز ہو۔البتہ موجودہ زمانہ کی سب سے بڑی امریکی آب دوز اوہائیو (Ohio) قسم کی ہے جس کا طول ۱۷۰ میٹر (ذراع) ہے اور جس میں سامان اور اسلحہ کے علاوہ ۱۵۵ لوگوں کے عملہ کی گنجائش ہوتی ہے (وکی پیڈیا۔اوہائیو کلاس سب میرین) دوسری اس سے چھوٹی عام اوبرون (Oberon) قسم کی آب دوز ہوتی ہے جس کا طول ۹۰ میٹر ہوتا ہے جس میں افسروں اور ملاحوں کو ملا کر ۶۹ لوگوں کی گنجائش بتائی جاتی ہے (وکی پیڈیا، اوبرون کلاس سب میرین)۔بائبل کی متذکرہ بالا روایت اس مسلم سائنس داں تیمور عباسی کی رائے کی تائید کرتی ہے۔اس صورت میں کم سے کم پہلے پانچ ماہ کی مدت میں تلاطم کم ہونے تک اندر باہر سے مہر بند سفینہ کے اندر ہوا کے دباؤ، جودت و نظافت (air quality)، آکسی ہوا کی فراہمی، کاربی ہوا کی نکاسی، یا کاربی ہوا کو کیمیاوی طور پر دوبارہ آکسی ہوا میں تبدیل کرکے جودت ہوا کو بقائے حیات کے درجہ تک برقرار رکھنے کے لیے بظاہر وہی انتظام کرنا لازم تھا جو موجودہ دور کی مہر بند آبدوزوں یا ۴۰،۰۰۰ فٹ کی بلندی پر اڑنے والے ہوائی جہازوں کے اندر ہوتا ہے۔

موازنہ کے لیے عہد رواں کے بڑے بحری سفری جہازوں میں سے ایک، کوئین میری ثانی (QM II) کی پیمائش پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔اس برطانوی مسافر جہاز کا طول ۳۴۵ میٹر، عرض ۳۲ میٹر، ارتفاع ۴۱ میٹر ہے۔اس میں کل ۲۶۲۰ مسافر اور ۱۲۵۳ لوگوں کا عملہ سفر کرتا

ہے، یعنی پورا جہاز بھرا ہو تو تقریباً ۳۹۰۰ شخص اس پر ہوتے ہیں۔ اس میں تازہ پانی کی فراہمی کے لیے سمندری پانی کو نمک سے صاف کرنے کے دو کارخانے ہیں اور تقریباً ۴۰۰۰ لوگوں کی ضروریات کے لیے روزانہ ۱۱ لاکھ لیٹر پانی فراہم کیا جاتا ہے اور پینے کے پانی کے خزان میں ۳۸ لاکھ لیٹر پانی جمع کیا جا سکتا ہے جو تین چار دن کی ضرورت کو کافی ہوتا ہے۔ یہ جہاز یورپ سے امریکہ اور ایشیا تک کے طویل سفر کرتا ہے اور اس جہاز نے دنیا کے گرد ایک سفر ۸۱ دن میں طے کیا تھا۔

حیرت انگیز حقائق: اس جہاز جیسی بڑی آبدوز کا تصور بھی حیرت کے پہاڑ توڑتا ہے اور یہ تصور مزید حیران کرنے کو کافی ہے کہ سفینۂ نوحؑ کے لیے لکڑی اور فولاد کا استعمال کیا گیا تھا۔

ایک آلۂ حساس۔ انتہائی حساس کمپیوٹر کے ذریعہ پیمائشیں کی جارہی تھیں۔

سفینہ سے پہلے اس کا مکمل نقشہ تختی پر اتار لیا گیا تھا، جو کمپیوٹر کی ٹیبلیٹ بھی ہو سکتی ہے اور کاغذی تختہ بھی۔

نقشہ اور اس کے مطابق تعمیر کا مکمل رکارڈ تمام جزئی تفصیلات کے ساتھ رکھا جارہا تھا۔

جہاز کے اندر انسانوں کے رہنے کے لیے کوٹھریاں، کمرے، کیبن بنائے گئے تھے۔ جہاز میں پوری مدت سفر کے لیے تمام انسانوں اور جانوروں کی غذا کی رسد موجود تھی۔ جہاز میں سال بھر کے سفر اور بعد میں فصلیں تیار ہونے کی مدت کی غذا اور بیج رکھنے کا انتظام تھا۔ جہاز میں سال بھر تک مسافروں اور جانوروں کے ہمہ قسم استعمال کے پانی اور جانوروں کے فضلوں کی صفائی کے پانی کی روزانہ فراہمی کا انتظام تھا۔ یہ جہاز کم سے کم دو سال میں اور زیادہ سے زیادہ ۳۰۰ سال میں تیار ہوا تھا۔ اوسطاً سو پچاس سال بھی لگے ہوں تو سفینہ کی بڑائی سوچ کو سرد کردینے کے لئے کافی ہے۔

آخری بات: قوم نوحؑ کیچڑ اور غلاظت میں لت پت کسی گاؤں کے جاہل، بے شعور، غیر مہذب لوگوں پر مشتمل قبیلہ یا غیر اہم انسانی گروہ نہیں تھی جس کی کسی چھوٹی موٹی غلطی پر اللہ نے ناراض ہو کر اسے بالکل نیست و نابود کردیا۔

قوم نوحؑ تہذیب، معاشرت، معیشت، فلکیات، طبیعیات، نباتیات، معدنیات وغیرہ مادی علوم میں لاثانی ترقی کر چکی تھی۔ اس کا ثبوت ان کی سرکشی میں نظر آتا ہے۔ غیر مہذب، غیر ترقی یافتہ دیہاتی سرکش نہیں سیدھے سادے لوگ ہوتے ہیں، جس کا مشاہدہ امریکہ، جرمنی اور کینڈا جیسے

ممالک کے دیہات کے باشندوں تک کی عام زندگیوں اور برتاؤ میں آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

مادی ترقی انسان کو سرکش بناتی ہے۔قوم نوحؑ جیسی سرکش قوم تو دنیا میں پہلے کیا بعد میں بھی نہیں ہوئی۔اس کے سائنسی ارتقاء کا معیار بھی دنیا دوبارہ آج تک پیدا نہیں کرسکی۔اس کی سائنسیں اس درجہ تباہ کن ہوچکی تھیں کہ اس قوم کے ایک ایک متمرد فرد کو نیست و نابود کرنا ضروری ہوگیا تھا۔یہی وہ نیفلم ،وہ سورما، وہ جبارین تھے جن کو بائبل نے زمین کو ظلم وفساد سے بھر دینے کا مجرم ٹھہرایا ہے۔وہ عادونائی کے فرزند نہیں،فرشتوں کی اولاد نہیں،شیطانی وسوسوں کی پیداوار تھے۔

تہذیب کی تاریخ یہی ہے۔جب مادی علوم انسانیت کو تباہی کی طرف لے جانے لگیں تو اس تہذیب کا نام ونشان اور اس کے تمام آثار کو حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹادیا جاتا ہے۔قوم نوحؑ کی سائنسی مادی تہذیب ایک حرف غلط بن گئی تھی۔سومٹ گئی۔مٹادی گئی۔

کتابیات : القرآن : آل عمران ۳۔الانفال ۸۔ھود ۱۱۔بنی اسرائیل ۱۷۔المومنون ۲۳۔الفرقان ۲۵۔ العنکبوت ۲۹۔ص ۳۸۔غافر ۴۰۔ق ۵۰۔القمر ۵۴۔التحریم ۶۶۔نوح ۷۱۔

تفاسیر : امام طبری۔جامع البیان۔مؤسسۃ الرسالہ۔بیروت ۲۰۰۰ء۔امام بغوی،حسین ابن مسعود(۴۳۳۔ ۵۱۶ھ/۱۰۴۱۔۱۱۲۲ء)معالم التنزیل۔دارطیبہ ۱۹۹۷ء۔ علامہ زمخشری،محمود۔الکشاف۔ڈبلیونساؤلی۔کلکتہ ۱۸۵۶ء۔امام قرطبی،محمد الانصاری۔الجامع لاحکام القرآن۔ضیاء القرآن۔لاہور ۲۰۱۲ء۔امام بیضاوی، عبداللہ۔انوارالتنزیل واسرارالتاویل۔مکتبہ البشریٰ۔کراچی ۲۰۱۰ء۔امام نسفی،عبداللہ۔مدارک التنزیل۔ مکتبۃ العلم۔لاہور۔امام اندلسی،ابوحیان۔بحرالمحیط۔دارالکتب العلمیہ۔بیروت ۱۹۹۳ء۔امام ابن کثیر۔ر:تفسیر القرآن۔مکتبہ قدوسیہ۔لاہور۔۲۰۰۶ء۔امام ابن کثیر۔ع:تفسیر القرآن۔دارطیبہ۔ریاض۔۱۹۹۷ء۔امام سیوطی،جلال الدین۔ع:جلالین۔دارالحدیث۔قاہرہ۔امام سیوطی،جلال الدین/مولانا بلندشہری،محمد جمال۔ ر:جمالین فی شرح جلالین۔زمزم پبلشرز۔کراچی۔۲۰۱۱ء۔امام سیوطی،جلال الدین/فراس حمزہ۔گ:تفسیر جلالین۔رائل آل بیت انسٹیٹیوٹ۔عمان۔اردن۔۲۰۰۷ء۔امام سیوطی،جلال الدین۔درالمنثور۔ضیاءالقرآن پبلی کیشنز۔لاہور ۲۰۰۶ء۔پانی پتی،قاضی ثناءاللہ۔تفسیر مظہری۔دارالاشاعت۔کراچی ۱۹۹۹ء۔امام آلوسی بغدادی،محمود۔روح المعانی۔داراحیاءالتراث العربی۔بیروت۔شیخ حقانی دہلوی،عبدالحق۔تفسیر حقانی/ فتح المنان۔الفیصل۔لاہور ۲۰۰۹ء۔مولانا تھانوی،اشرف علی۔بیان القرآن۔ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ملتان ۱۴۲۶ھ۔مولانا عثمانی،شبیر احمد۔تفسیر عثمانی۔دارالاشاعت۔کراچی ۲۰۰۷ء۔مولانا کاندھلوی،محمد مالک/

معارف القرآن ۸ / ادریسی ۔ مکتبہ معارف ۔ شہداد پور ۔ پاکستان ۔ ۱۴۲۲ھ ۔ مولانا مفتی محمد شفیع ۔ معارف القرآن ۔ دار الاشاعت ۔ کراچی ۔ مولانا دریابادی، عبدالماجد ۔ گ: تفسیر ماجدی ۔ اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز ۔ لکھنؤ ۔ ۲۰۰۷ء ۔ مولانا مفتی محمود ۔ تفسیر محمود ۔ جمعیۃ پبلی کیشنز ۔ لاہور ۔ ۲۰۱۱ء

حدیث : امام حاکم، عبداللہ نیشاپوری ۔ مستدرک علیٰ صحیحین ۔ دار الکتب العلمیہ ۔ بیروت ۔ ابن ابی شیبہ ۔ مصنف ۔ دارالتاج ۔ بیروت ۔ ۱۹۸۹ء ۔ بائبل ۔ تکوین ۔ ۱ ۔ سموئیل ۔ مصحفہ اخنوخ ۔ باقیات صحیفہ نوح ۔ ہیبر و انگلش بائبل (HEB ۔ Hebrew-English Bible) کمپلیٹ جیوش بائبل ۔ Complete Jewish Bible ۔ تیرا کلام اردو بائبل ۔ کنگ جیمس نسخہ ۔ King James Version جدید بین الاقوامی نسخہ (New International Version NIV-) ۔ ربی شلوموییتسحا کی (Rabbi Shlomo Yitzhaki-Rashi) مخفف رش ی = رَشی ۔ شرح توراۃ ۔ شرح تلمود ۔

عام کتب : امام سیوطی، جلال الدین ۔ الاتقان فی علوم القرآن ۔ دار الاشاعت ۔ کراچی ۔ ۲۰۰۸ء ۔ احمد ۔ ڈاکٹر نثار ۔ خطبہ حجۃ الوداع (ع ۔ ر ۔) ۲۰۰۵ء ۔ بیت الحکمۃ ۔ لاہور ۔ ابن عساکر ۔ تاریخ دمشق ۔ دار الفکر ۔ بیروت ۔ ۱۹۹۵ء ۔ غازی، حامد الانصاری ۔ اسلام کا نظام حکومت ۔ ندوۃ المصنّفین ۔ دہلی ۱۹۴۳ ۔ سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمٰن ۔ قصص القرآن ۔ دار الاشاعت کراچی ۔ ۱۹۷۲ء ۔ امام راغب اصفہانی ۔ مفردات الفاظ القرآن، اسلامی اکیڈمی ۔ لاہور ۔ عبدالحفیظ بلیاوی ۔ المنجد اردو ۔ خزینۂ علم و ادب ۔ لاہور ۔ ہانز ویہر ۔ معجم اللغۃ العربیہ المعاصرہ ۔ لائبریری ڈو لیبان ۔ بیروت ۔ ۱۹۸۰ء ۔ متسیا پران (ہندو دیومالا: کتاب السمک) ۔ مہارشی ویاس ۔ مہابھارت ۔/ کیسری موہن گنگولی ۔ انگریزی ترجمہ ۱۸۸۳ ۔ ۱۸۹۶ء ۔

Mahabharata /holybooks.lichtenbergpress.netdna-cdn.com/wp-content/uploads/ Mahabharata-Of-Vyasa-English-Translation By KM Ganguli.pdf جولس ولہاوسن (م: ۱۹۱۸ ۔ Julius Wellhausen) ۔ والٹر پٹمن اور ولیم رائن، نوحز فلڈ، پی بی ایس ۔ اورگ ۔ Water Pitman and William Ryan. Noah's Flood. PBS.org ۔ وکی پیڈیا ۔ اوبرون کلاس سب میرین ۔ وکی پیڈیا ۔ او ہائیو کلاس سب میرین ۔ جوناتھن بیلی، و دیگر، اے گلوبل سپیشیز اَسسمنٹ ۔ Jonathan Baillie, A Global Species Assesment [ایک عالمی تخمینۂ انواع] (۲۰۰۴)، ورلڈ کنزرویشن یونین ۔ Baillie, Jonathan EM and others. A Global Species Assessment. 2004. IUCN ۔ The World Conservation Union Publications Services Unit. Cambridge UK. ISBN : 2-8317-0826-5 ۔ پبلک براڈکاسٹنگ سروس (PBS) - ڈسکوری چینل ۔ Discovery Channel TV

قتل عمد میں معافی اورامت کا موقف

جناب بدر احمد مجیبی

اللہ تعالی نے آخری شریعت یعنی اسلامی شریعت میں زمانہ کے حالات کے اعتبار سے عمدہ قانون اوراحکام دیے ہیں۔اسی طرح انسانی جان کی اہمیت کی بناء پراس کی حفاظت کے لیے بھی بہترین قوانین صادر کیے ہیں۔قتل عمد، قتل خطا کے علاحدہ علاحدہ احکام جاری کیے ہیں۔انسانی جان کی اہمیت کواس طرح واضح کیا ہے کہ ناحق کسی انسانی جان ہلاک کرنے کو پوری انسانیت کی ہلاکت قرار دیا ہے۔اس لیے انسانی جان کو ہلاک کرنے پر شدید ترین سزا مقرر کی ہے۔

معارف دسمبر ۲۰۱۱ء کے شمارے میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا۔ ''قتل عمد میں دیت اور معافی کے تعلق سے قرآنی مباحث'' اس میں دیت ومعافی کا انکار کیا گیا تھا جو جمہور امت کے مسلک کے خلاف تھا۔ہم نے ایک تفصیلی مضمون میں اس پر نقد کیا تھا جو ''قتل عمد میں دیت اور معافی اور امت اسلامیہ کا موقف'' کے عنوان سے اکتوبر،نومبر اور دسمبر ۲۰۱۲ء کے تین شماروں میں شائع ہوا۔اس کو کافی پسند کیا گیا۔اس کے ایک سال بعد دسمبر ۲۰۱۳ءاور جنوری ۲۰۱۴ء کے شماروں میں اس کے جواب میں ایک اور مضمون بہ عنوان ''قتل عمد میں قصاص اور دیت ہے۔معافی نہیں'' چھپا۔اس میں غلط تاویلات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ قتل عمد میں معافی نہیں ہے۔ مضمون نگار نے اپنی خاص عقل وفہم کی بنیاد پر امت کے متفقہ قول سے انحراف کرکے ایک شاذ قول کو اختیار کیا۔چونکہ یہ مضمون امت کے متفقہ مسلک کے خلاف ہے، نیز فاسد تاویلات ومغالطہ انگیزی اورغلط بیانی پر مشتمل ہے اس لیے اس کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے یہ تحریر پیش کی جاتی ہے۔

مضمون نگار نے اپنے پورے مضمون کا خلاصہ بھی چند سطروں میں تحریر کیا ہے، وہ

خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف پٹنہ، بہار۔

درج ذیل ہے:

> ’’قتل عمد میں اصل سزا تو قصاص ہے، البتہ شاذ حالات میں دیت بھی لی جاسکتی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیات ۱۷۸ اور ۱۷۹ اس باب میں حجت قطعی کی حیثیت رکھتی ہے۔ جن اصحاب علم نے ولی مقتول کو قصاص اور دیت کے علاوہ معافی کا بھی اختیار دیا ہے ان کی بات اس لیے غلط ہے کہ یہ نص صریح (آیات بقرہ) کے بالکل خلاف ہے۔ اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہؓ اور تابعینؒ کی طرف جو اقوال منسوب کیے گئے ہیں وہ ناقابل اعتبار ہیں۔ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہ قول صحیح ہے جس کا تعلق فتح مکہ کے موقع پر دیے گئے خطبہ سے ہے، اس میں آپؐ نے واضح لفظوں میں فرمایا کہ قتل عمد میں ولی مقتول کو دو میں سے ایک چیز کا اختیار ہے۔ قصاص یا دیت۔ (صحاح ستہ) معافی کا تعلق قتل عمد کے بجائے قتل خطا (سورہ نساء: ۹۲) اور جروح (زخموں) سے ہے (مائدہ: ۴۵)‘‘۔ (معارف جنوری ۲۰۱۴ء ص ۲۲، ۲۳)

جائزہ لینے سے پہلے عرض ہے کہ مضمون نگار صاحب نے جس شاذ قول کو اختیار کیا ہے عہد رسالت سے لے کر آج تک ان چودہ صدیوں میں کوئی عالم یا فقیہ یا محدث یا مفسر اس کا قائل نہیں رہا ہے۔ یہ امت کے متفقہ مسلک کے بالکل مخالف ہے۔ انہوں نے اپنی خاص عقل وفہم کی بنیاد پر اس شاذ قول کو اپنا مسلک ـــــ بنالیا ہے۔ اصل میں احادیث اور اقوال صحابہ واسلاف پر بے اعتباری نہیں، صرف اپنی عقل پر ہی بھروسہ کرنے سے ہوتی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ ایسوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ’’ان جیسے لوگ ایک رائے کا اعتقاد کر لیتے ہیں پھر قرآن کے الفاظ کو اس رائے پر محمول کر دیتے ہیں۔ ان کی رائے اور ان کی تفسیر میں صحابہ، تابعین اور ائمہ مسلمین میں کوئی ان کا سلف نہیں ہوتا‘‘۔ (۱)

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں   ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

مضمون نگار صاحب پوری محنت ومشقت کے باوجود دو قسطوں پر مشتمل مضمون میں چودہ صدیوں میں کسی بھی عالم کی صراحت نہیں پیش کر سکے جو اس کا قائل ہو کہ قتل عمد میں معافی نہیں ہے۔

کاش کسی عالم کی عبارت صراحت کے ساتھ پیش کردی گئی ہوتی تو یہ معلوم ہوجاتا کہ امت کا کوئی ایک عالم بھی ان کا ہم نوا ہے۔ہم پہلے اس بحث کے بنیادی نکتہ کے طور پر شریعت اسلامی میں معافی کی حیثیت کو واضح کرتے ہیں۔اس کے بعد باقی تاویلات اور غلط بیانیوں کو بیان کریں گے۔

معافی: معافی کا عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔دوسروں کی غلطیوں اور ان کے جور وستم پر ان کو معاف کردینا اور انتقام نہیں لینا یہ پسندیدہ فعل ہے۔یہ انسان کے حسن اخلاق کی دلیل ہے۔ کسی کی طرف سے ایذا اور ظلم وستم ہو تو مظلوم کو بدلہ لینے کی شریعت نے پوری اجازت دی ہے۔وہ ظالم سے اس کے ظلم کے بقدر انتقام لے سکتا ہے۔لیکن اگر مظلوم شخص دیکھے کہ ظالم پشیماں ہے تو اس کو وہ معاف کردے اور بدلہ نہ لے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے اور اس پر اجر وثواب کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔معافی کا عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار اس کا تذکرہ کیا ہے۔خود اپنے بارے میں بھی اس کا ذکر فرمایا ہے۔اسمائے حسنیٰ میں سے ''العفو'' بھی ہے اور ''الغفور'' بھی ہے۔ارشاد ہے:

وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ۔(۲)

جو شخص اسی قدر تکلیف پہنچائے جتنی اس کو تکلیف دی گئی تھی پھر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا۔بلاشبہہ اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے۔

ارشاد ہے:

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔(۳)

کیا تم لوگ یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی مغفرت فرمادے اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

ارشاد ہے:

وَ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔(۴)

وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کردیتا ہے اور تم لوگ جو کرتے ہو اس کو جانتا ہے۔

ارشاد ہے:

وَمَا أَصَابَكُم مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ۔ (۵)

اور تم لوگوں کو جو پریشانی لاحق ہوئی ہے وہ تمہارے اپنے کاموں کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سی چیزوں کو معاف کر دیتا ہے۔

ان آیات اور ان جیسی دوسری تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی اپنی خاص صفت کا ذکر فرمایا ہے کہ جب بندے توبہ کرتے ہیں تو ان کے غلط کاموں اور گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ بندوں کے اعمال جتنے برے ہوتے ہیں ان کی بہ نسبت ان کی سزا دنیا میں بہت کم ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت سارے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسروں کی غلطیوں اور ان کے ظلم و ستم کے باوجود ان کو معاف کرنے کا بار بار حکم بھی دیا ہے۔ بدلہ لینے کی بھی اجازت دی ہے مگر معاف کرنے کو زیادہ پسندیدہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ۔ (۶)

اگر تم بدلہ لینا چاہو تو ان کو اتنا ہی تکلیف پہنچاؤ جتنی تکلیف تمہیں پہنچائی گئی ہے۔ اگر تم صبر کرو (یعنی معاف کر دو) تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے زیادہ اچھا ہے۔

ارشاد ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۔ (۷)

معافی کو اختیار کیجیے اور نیک کام کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارے ہو جائیے۔

ارشاد ہے:

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ۔ (۸)

تو آپ اچھے طریقے سے معاف کر دیجیے۔

ارشاد ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ۔ (۹)

جو صبر کرے اور معاف کر دے بلاشبہہ یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

ارشاد ہے:

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا۔ (۱۰)

تم میں جو لوگ بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ قرابت داروں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھائیں۔ چاہیے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔

ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (۱۱)

اے ایمان والو! بلاشبہہ تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے تمہارے لیے دشمن ہیں۔ ان سے احتیاط کرو اور اگر تم معاف کردو، درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

متقین کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (۱۲)

یہ وہ لوگ ہیں جو فراغت اور تنگی دونوں میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو پی جانے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

ایک موقع پر اہل کتاب کی غلط کاریوں اور سازشوں پر مسلمانوں کو متنبہ کرکے دوسرے حکم نازل ہونے تک ان کو معاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (۱۳)

تو معاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے، بلاشبہہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ان تمام آیات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ معاف کرنا ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت عفو کا بھی جگہ جگہ تذکرہ فرمایا ہے۔ مسلمانوں کو بھی اس عمل کی ترغیب دی ہے۔ احادیث نبویہ میں بھی ہمیں ایسا ہی ملتا ہے۔

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نبیؑ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ان کی قوم نے ان کو مار مار کر خون آلود کر دیا۔ وہ نبیؑ اسی حالت میں اپنے چہرے سے خون کو پونچھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے ہیں:

رب اغفر لقومی فإنھم لا یعلمون (۱۴) اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ یہ لوگ نہیں جانتے ہیں۔

جنگ احد کے موقع پر کفار کا آپؐ پر حملہ اور آپؐ کو ہلاک کرنے کی کوششیں حدیث و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ حضرت رسول اللہؐ نے اس وقت بھی اپنے اور اسلام کے ان دشمنوں کو معاف فرمادیا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ طائف میں جب آپ تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تھے اور وہاں کے سفاک باشندوں نے آپ کے ساتھ جس شقاوت قلبی اور سنگ دلی کا سلوک کیا وہ مشہور واقعہ ہے۔ یہ ایسا دردناک واقعہ تھا کہ بعد میں زمانہ دراز تک آپ پر اس کا اثر تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا کہ کیا احد سے بھی زیادہ سخت دن آپ پر گزرا ہے؟ آپؐ نے سب سے زیادہ سخت دن طائف والے دن کو بتایا اور طائف کا واقعہ اپنی زبان مبارک سے بیان فرمایا۔ اس میں یہ بھی ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الجبال کو بھیجا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو دونوں پہاڑوں کو جن کے درمیان طائف کا شہر آباد ہے ٹکرا دیں تا کہ پورا شہر تباہ و برباد ہو جائے اور ان مجرموں کو ان کے کیے کی سزا مل جائے۔ مگر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

بل أرجو أن یخرج اللہ من أصلابھم من یعبد اللہ وحدہ لایشرک بہ شیئاً (۱۵) مجھے امید ہے کہ ان کی اصلاب سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو نکالے گا جو تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

حضرت رسول اللہؐ نے اس ظلم و ستم کے باوجود طائف والوں کو معاف فرمادیا اور اس کے بدلہ میں ان کے شہر کو تباہ و برباد کیا جانا اس لیے پسند نہیں فرمایا کہ اگرچہ ابھی وہ لوگ ایمان نہیں لائے ہیں لیکن بعد میں ان کی اولاد کو ایمان کی سعادت نصیب ہو سکتی ہے۔

امام بخاری الادب المفرد میں حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت

نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بکری کا زہر آلود گوشت بھیجا، آپؐ نے اس میں سے کچھ تناول کرلیا اوراس کے ساتھ ہی اس کے زہر آلود ہونے کا پتہ چل گیا۔ صحابہ کرامؓ اس کو پکڑ کر لائے اور سزا میں اس کو قتل کرنے کی اجازت آپؐ سے چاہی تو آپؐ نے منع فرمادیا۔(۱۶)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

ما نقصت صدقة من مال ولاعفا رجل عن مظلمة إلا زاده الله عزاً ولا تواضع عبد للّٰه إلا رفعه الله۔(۱۷)

صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔ کسی کے ظلم وستم کو کوئی شخص معاف کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتا ہے۔ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ بلند کردیتا ہے۔

حضرت رسول اللہؐ کے پاس قتل عمد میں قصاص کے معاملات آتے تو آپؐ پہلے اس میں معافی کی کوشش فرماتے۔ اگر معافی پر معاملہ طے نہیں ہوتا یعنی مقتول کے اولیا تیار نہیں ہوتے تو دیت پھر قصاص کا حکم صادر فرماتے۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔

مارفع إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئ فيه القصاص إلا أمر فيه بالعفو۔(۱۸)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب بھی قصاص کا کوئی مسئلہ آتا تو آپ اس میں معافی کا حکم دیتے۔

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت رسول اللہؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک قاتل شخص کو لایا گیا جس کی گردن میں ڈوری تھی۔ حضرت رسول اللہؐ نے مقتول کے ولی کو بلاکر فرمایا کہ کیا تم معاف کرتے ہو؟ اس نے انکار کردیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا دیت لوگے؟ اس نے انکار کردیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا قتل کروگے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ لے جاؤ۔ جب وہ جانے کے لیے مڑا تو آپؐ نے پھر یہی بات دہرائی اور اس نے یہی جواب دیا۔ چوتھی بار میں آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم اس کو معاف کردوگے تو یہ اپنے اور اپنے صاحب (مقتول) کے گناہوں کا ذمہ دار ہوجائے گا۔ اس پر ولی مقتول نے اس کو معاف کردیا۔(۱۹)

علامہ شوکانی نیل الاوطار میں ’’باب فضل العفو عن الاقتصاص والشفاعة فی

ذلک‘‘ کے تحت لکھتے ہیں۔

والترغیب فی العفو ثابت بالأحادیث الصحیحۃ ونصوص القرآن الکریم ولا خلاف فی مشروعیۃ العفو فی الجملۃ إنما وقع الخلاف فیما ھو أولی للمظلوم ھل العفو عن ظالمہ أو الترک (۲۰)	معافی کی ترغیب احادیث صحیحہ اور قرآن کریم سے ثابت ہے۔ فی الجملہ معافی کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ مظلوم کے لیے افضل و بہتر کیا ہے۔ اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کردینا یا معاف نہ کرنا۔

ان تمام آیات اور روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوجاتی ہے کہ ہر طرح کے ظلم وستم اور قصاص کے معاملات میں بھی اگرچہ شریعت نے مظلوم کو ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت دی ہے اور یہ اس کا حق ہے کہ وہ ظالم سے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا انتقام لے لیکن اس کو معاف کردینا شریعت میں زیادہ پسندیدہ ہے خصوصاً اس وقت جب ظالم اپنے ظلم پر پشیمان ہو۔ اس لیے شریعت نے جہاں بھی ظلم کے بدلہ لینے کی اجازت دی ہے وہاں ظالم کو معاف کرنے کی بھی پوری اجازت دی ہے اور معاف کرنا اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے اور اس پر اجر وثواب بھی ہے۔ اس لیے کسی کو معاف کرنے کے لیے علاحدہ سے صریح حکم کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں ظلم کی سزا کے لیے حکم کی ضرورت ہوتی ہے۔

’’سلطاناً‘‘ میں معافی شامل ہے: مضمون نگار صاحب کے خیال میں آیت {وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا} (۲۱) میں ’’سلطاناً‘‘ کہہ کر ولی مقتول کو جو اختیار دیا گیا ہے اس میں معافی شامل نہیں ہے۔ میں نے اس اختیار میں معافی کے شامل ہونے پر اکابر مفسرین کے حوالے پیش کیے تھے۔ مگر موصوف لکھتے ہیں:

> ’’جن مفسرین (طبری، بغوی وغیرہ) کی تفسیروں پر موصوف نے اعتماد کرکے اپنے غیر منصوص خیال کی بنیاد رکھی ہے ان اہل تفسیر سے اس معاملہ میں صریحاً چوک ہوگئی ہے۔‘‘ (معارف دسمبر ۲۰۱۳ء، ص ۴۰۷)

آیئے دیکھیں کہ ان کے خیال میں جن مفسرین سے چوک ہوئی ہے وہ کون ہیں؟ یہ اکابر مفسرین ہیں جن میں امام طبری، امام بغوی، امام قرطبی، علامہ ابن کثیر، امام سمرقندی، امام رازی، علامہ

ابن العربی مالکی، امام ماوردی، امام خازن ہیں یہ نوا کابر مفسرین ہیں جن کی پوری عبارتیں مضمون میں پیش کی گئی ہیں۔ یہ تمام مفسرین چونکہ موصوف کے ذاتی فہم کے خلاف گئے تھے اس لیے ان تمام کے بارے میں موصوف نے یک قلم فیصلہ صادر کردیا کہ ان تمام اکابر مفسرین سے چوک ہوئی ہے اور صحیح وہی ہے جو موصوف کا فہم ناقص کہتا ہے۔ ان مفسرین کرام کے علاوہ دوسرے مفسرین کے حوالے بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ امام طبرانی (م ۳۶۰ھ) اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:

وعن ابن عباس أنه قال: المراد بهذا السلطان أن للولی أن یقتل إن شاء أو أخذ الدیة أو عفی (۲۲)	عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ سلطان سے مراد یہ ہے کہ ولی کو اختیار ہوگا کہ وہ اگر چاہے تو قتل کرے یا دیت لے یا معاف کردے۔

۲۔ علامہ ابن ابی زمنین المالکی (م ۳۹۹ھ) لکھتے ہیں:

{سلطاناً} یعنی القود إلا أن یعفو الولی أو یرضی بالدیة إن أعطیها۔ (۲۳)	سلطاناً یعنی قصاص، سوا اس کے کہ ولی معاف کردے یا اس کو دیت دی جائے تو وہ راضی ہوجائے۔

۳۔ علامہ ابو محمد مکی (م ۴۳۷ھ) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أی جعلنا له نصرًا و حجةً علی أخذ الثأر ممن قتل ولیه فإن شاء عفا و إن شاء قتل و إن شاء أخذ الدیة (۲۴)	یعنی مقتول کے ولی کی جانب سے قصاص لینے پر ہم نے مدد اور حجت بنائی ہے تو اگر وہ چاہے تو معاف کردے اور اگر چاہے تو قتل کردے اور اگر چاہے تو دیت لے لے۔

۴۔ علامہ واحدی (م ۴۶۸ھ) لکھتے:

{سلطاناً} حجة فی قتل القاتل إن شاء أو أخذ الدیة أو العفو (۲۵)	سلطاناً قاتل کے قتل میں حجت اگر چاہے یا دیت لے یا معافی۔

۵۔ علامہ ابن عطیہ اندلسی (م ۵۴۲ھ) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والسلطان: الحجة و الملک الذی جعل	سلطان: حجت اور ملکیت ہے جو دیت کے قبول

إليه من التخيير في قبول الدية أو العفو قال ابن عباس و الضحاک۔(۲۶)

کرنے میں یا معافی میں ولی کو اختیار دیا گیا ہے۔ابن عباسؓ اور ضحاکؒ کا قول ہے۔

۶۔علامہ ثعالبی (م ۸۷۵ھ) لکھتے ہیں:

و السلطان: الحجة و الملک الذی جعل إليه من التخيير في قبول الدية أو العفو قاله ابن عباس۔(۲۷)

سلطان: حجت اور ملکیت ہے جو دیت کے قبول کرنے میں یا معافی کرنے میں ولی کو اختیار دیا گیا ہے۔یہ ابن عباسؓ کا قول ہے۔

۷۔علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

و السلطان: التسلط على القاتل إن شاء قتل و إن شاء عفا و إن شاء أخذ الدية (۲۸)

سلطان قاتل پر قدرت ہے ۔ چاہے تو قتل کرے، چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو دیت لے لے۔

۸۔نواب صدیق حسن قنوجی لکھتے ہیں:

{سلطاناً} تسلطا على القاتل، إن شاء قتل، و إن شاء عفا، و إن شاء أخذ الدية۔(۲۹)

سلطاناً قاتل پر قدرت ہے۔چاہے تو قتل کرے چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو دیت لے لے۔

موجودہ زمانے کے اہل تفسیر کی رائے بھی معلوم کرلیں۔جدید عربی تفسیروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات بھی سلطان میں معافی کو شامل کرتے ہیں اور قتل عمد میں ولی کو تینوں اختیارات ملنے کے قائل ہیں۔

۹۔شیخ وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

فيختار أحد أمرين : إما القصاص بعد اصدار حكم قضائی و بإشراف القاضی و إما العفو عنه على الدية أو مجاناً (۳۰)

ولی مقتول دو امور میں سے ایک کو اختیار کرے گا یا تو قاضی کی نگرانی میں اور عدالتی فیصلہ صادر ہونے کے بعد قصاص، یا دیت پر یا بغیر دیت کے معافی۔

۱۰۔ابوبکر جزائری لکھتے ہیں:

أی من قتل له قتيل ظلماً و عدواناً أی غير خطأ فقد أعطاه تعالى سلطة كاملة على قاتل وليه إن شاء قتله و إن شاء أخذ دية منه و إن شاء عفا عنه لوجه الله (۳۱)	جس کا کوئی شخص ظلماً قتل ہو جائے (یعنی قتل عمد ہو قتل خطا نہ ہو) اس کو اللہ تعالیٰ نے قاتل پر پوری قدرت دی ہے، چاہے تو قاتل کو قتل کر دے، چاہے تو اس سے دیت لے، چاہے تو اللہ کی رضا کے لیے معاف کر دے۔

یہ دس اہل تفسیر ہیں جو اس آیت کی تفسیر میں صراحت کے ساتھ معافی کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ پہلے والے نو اکابر مفسرین کو شامل کرلیا جائے جن کے حوالے گزشتہ مضمون میں آ چکے ہیں تو انیس مفسرین کی صراحت مل جاتی ہے کہ قتل عمد میں ولی مقتول کو معافی کا اختیار ہوتا ہے۔ کسی ایک مفسر نے بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ ولی مقتول کو معافی کا اختیار نہیں ہے۔ اس لیے اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ ولی مقتول کو معاف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معاف کرنے کے لیے کسی قدرت یا اختیار ملنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو ہر وقت انسان کو حاصل ہے۔ البتہ سزا دینے کے لیے اختیار و قدرت کی ضرورت ہوتی ہے۔

موصوف آگے لکھتے ہیں۔ ''میرے نزدیک قتادہ کا قول ہی صحیح ہے کہ اس سے مراد قصاص ہے''۔ (معارف دسمبر ۲۰۱۳ء، ص ۴۰۸) لیکن یہ بھی ان کا مغالطہ ہے۔ موصوف امام قتادہ کی کتنی بات مانتے ہیں؟ اس کا بھی جائزہ لے لیں۔ امام قتادہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں معافی نہیں ہے۔ کیونکہ اسی آیت کے آخری حصے {إنه كان منصوراً} کی تشریح میں امام طبری امام قتادہ سے نقل کرتے ہیں۔

حدثنا عبد الاعلى قال حدثنا محمد بن ثور عن معمر عن قتادة {إنه كان منصوراً} قال : هو دفع الإمام إلى الولى فإن شاء قتل و إن شاء عفا (۳۲)	امام قتادہ سے مروی ہے کہ انہوں نے {إنه كان منصوراً} کی یہ تشریح کی کہ وہ امام کا (قاتل کو) ولی کے حوالہ کرنا ہے۔ اگر وہ چاہے تو قتل کر دے اور چاہے تو معاف کر دے۔

امام بغوی لکھتے ہیں:

قال قتادة : الهاء راجعة إلى ولى	قتادہ کہتے ہیں کہ ہاء کی ضمیر ولی مقتول کی طرف

المقتول معناه: إنه منصور علی القاتل باستیفاء القصاص منه أو الدیة (۳۳)

لوٹتی ہے۔اس کا معنی یہ ہے کہ ولی کو مدد ملے گی قاتل سے قصاص یا دیت لینے میں۔

علامہ ابواسحاق ثعلبی لکھتے ہیں:

{إنه کان منصوراً} اختلفوا فی هذه الکنایة إلی من ترجع فقیل: علی ولی المقتول وهو المنصور علی القاتل فیدفع الامام إلیه القاتل فإن شاء قتل وإن شاء عفا عنه وإن شاء أخذ الدیة وهذا قول قتادة۔ (۳۴)

{إنه کان منصوراً} اس ضمیر کے مرجع کے بارے میں اختلاف ہے۔ایک قول یہ ہے کہ ولی مقتول کی طرف راجع ہے۔ولی کو ہی قاتل کے خلاف مدد ملے گی۔امام قاتل کو ولی کے حوالہ کردے گا، وہ چاہے تو قتل کردے، چاہے تو اس کو معاف کردے اور چاہے تو دیت لے لے۔

موصوف بتائیں کہ کیا وہ امام قتادہ کا یہ قول مانتے ہیں جس میں انہوں نے صراحت کے ساتھ ولی مقتول کے لیے معافی کے اختیار کو ذکر کیا ہے۔اب امام قتادہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول میں کیا فرق رہا؟

حقیقت یہ ہے کہ امام قتادہ بھی ولی مقتول کے لیے قصاص، دیت اور معافی تینوں کے قائل ہیں۔ البتہ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ اصل حکم قصاص کا ہے۔یعنی عدالت قصاص کا فیصلہ کرے گی۔وہ ولی مقتول کی اجازت کے بغیر دیت یا معافی کا فیصلہ نہیں کرے گی۔ہاں، اگر ولی مقتول تیار ہوجائے تو دیت اور معافی پر بھی معاملہ ہوسکتا ہے۔یہی بات جمہور امت کے نزدیک بھی ہے۔موصوف نے بڑے زور وشور سے امام فخر الدین رازی کی بات پیش کی ہے اور لکھتے ہیں:

> ''امام رازیؒ قرآن کی تشریح وتفسیر میں نظم کلام کے قائل تھے اور نظائر کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔انہوں نے سورہ اسراء کی زیر بحث آیت میں لفظ ''سلطان'' کی تفسیر اسی اصول کی روشنی میں کی ہے''۔ (معارف دسمبر ۲۰۱۳ء، ص ۴۱۰)

اس کے بعد انہوں نے امام رازی کی طویل عبارت نقل کی ہے (جو میں اپنے گزشتہ مضمون میں پیش کرچکا ہوں) اور یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ امام رازی قصاص اور دیت کے قائل تھے۔ معافی کے قائل نہیں تھے۔حالانکہ امام رازی کی عبارت میں معافی کا انکار نہیں ہے۔انہوں نے

سلطان کی تشریح میں قصاص اور دیت کا ذکر کیا ہے۔ یہ بات تو پہلے آچکی ہے کہ معافی کا اختیار ہمیشہ رہتا ہے۔ اس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔ اکثر مفسرین نے اس کی صراحت کردی ہے اور امام رازی نے یہاں پر اس کی صراحت کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن ان کے نزدیک بھی معافی کا اختیار ولی مقتول کو ہے۔ چنانچہ آخر میں صراحت کردیتے ہیں:

قال بعده {فلايسرف فى القتل} معناه أن الأولى أن لايقدم على استيفاء القتل وأن يكتفى بأخذ الدية أو يميل إلى العفو۔ (۳۵)	اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا: {فلا یسرف فی القتل} اس کے معنی یہ ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ قتل کرنے کا اقدام نہ کرے، دیت لینے پر اکتفاء کرے یا معافی کی طرف مائل ہوجائے۔

اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ امام فخر الدین رازی بھی ولی کے تینوں اختیارات کے قائل تھے۔ قصاص، دیت اور معافی۔ ایک جگہ انہوں نے صراحت نہیں کی مگر دوسری جگہ اس کی صراحت کردی۔

مکی سورہ سے استدلال: موصوف نے سورہ شوریٰ کی آیت ۴۰ سے استدلال کرنے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ سورہ مکی ہے اور مکی سورتوں میں توحید و آخرت کی چیزیں بیان کی گئیں ہیں۔ احکام مدنی سورتوں میں بیان گئے گئے ہیں۔ اس لیے اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

> ’’موصوف نے اس آیت کو بطور دلیل پیش کر کے وہی غلطی کی ہے جو وہ سورہ اسراء سے استدلال میں کرچکے ہیں۔ سورہ اسراء کی طرح یہ بھی مکی سورہ ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ مکی سورتوں میں زیادہ تر عقائد و عبادات اور اخلاقی احکام کا ذکر ہوا ہے۔ اگر کہیں بر سبیل تذکرہ کوئی اجتماعی حکم مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے تو اس کی تفصیل مدنی سورتوں میں کردی گئی ہے۔ (سورہ ہود: ۱) اب کوئی موصوف سے پوچھے کہ جب سورہ بقرہ (آیت ۱۷۸، ۱۷۹) میں قتل عمد کی سزا واضح لفظوں میں بیان کردی گئی ہے کہ وہ قصاص اور دیت ہے تو انہوں نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں اس مکی سورہ کو کیوں پیش کیا جو باعتبار معنی مجمل ہے؟ استدلال کی اس صریح غلطی کے باوجود میں سورۂ شوریٰ کی مذکورہ آیت کی تفصیل کرتا ہوں تاکہ موصوف کے خیال کی

غلطی بالکل واضح ہوجائے''۔(معارف دسمبر ۱۳ءص ۴۱۲)

اس سے موصوف کا ایک نیا نظریہ سامنے آتا ہے کہ مسائل واحکام میں مکی سورتوں کی آیات سے استدلال درست نہیں ہے۔موصوف کی یہ ذاتی رائے ہوسکتی ہے۔فقہاء اسلام احکام میں مکی اور مدنی دونوں سورتوں سے استدلال کرتے ہیں۔احکام القرآن سے متعلق کتابوں کو دیکھ لیں۔جو بات اغلبیت یعنی زیادہ تر کے اعتبار سے کہی گئی ہے اس کو موصوف نے کلی سمجھ لیا اور مکی آیات سے احکام میں استدلال سے انکار کردیا۔مکی اور مدنی سورتوں کے بارے میں مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''مکی سورتیں زیادہ تر توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات، حشر ونشر کی منظر کشی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر وتسلی کی تلقین اور پچھلی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں اور ان میں احکام وقوانین کم بیان ہوئے ہیں۔اس کے برعکس مدنی سورتوں میں خاندانی اور تمدنی قوانین، جہاد وقتال کے احکام اور حدود وفرائض بیان کیے گئے ہیں''۔(۳۶)

اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ مکی سورتوں میں مسائل کا حکم بالکل نہیں بیان کیا گیا ہے۔ سورہ اسراء کی آیات ۳۱ تا ۳۵ دیکھ لیں۔سورہ نحل بھی مکی ہے۔اس میں آیت ۹۱ اور آیت ۱۱۵ دیکھ لیں۔کیا ان میں احکام بیان نہیں ہوئے ہیں؟ البتہ مکی سورتوں میں عقائد وعبادات کا ذکر زیادہ ہے اور مدنی سورتوں میں مسائل واحکام کا ذکر زیادہ ہے۔لیکن سرے سے نفی کردینا قلت علم کی دلیل ہے۔ اسی لیے دونوں قسم کی سورتوں سے استدلال کیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جس سورہ کو مکی کہا جاتا ہے اس کی تمام آیات مکی ہوں یا جس سورہ کو مدنی کہا جاتا ہو اس کی تمام آیات مدنی ہوں۔ بہت سی سورتیں مکی ہیں مگر ان کی متعدد آیات مدنی ہیں۔اسی طرح بہت سی سورتیں مدنی ہیں مگر ان کی بعض آیات مکی ہیں۔جیسے سورہ انعام مکی ہے مگر اس کی تین آیات مدنی ہیں۔اسی طرح سورہ نحل مکی ہے۔اس کی بھی چند آیات مدنی ہیں۔سورہ حج مکی ہے مگر اس کی بھی کچھ آیات مدنی ہیں۔سورہ شعراء مکی ہے مگر اس کی پانچ آیات مدنی ہیں۔سورہ لقمان مکی ہے مگر اس کی بھی کچھ آیات مدنی ہیں۔اسی طرح سورہ سجدہ اور سورہ زمر بھی

مکی ہیں مگر ان کی کچھ آیات مدنی ہیں۔(۳۷)

اسی طرح سورہ شوریٰ مکی ہے۔لیکن اس کی متعدد آیات مدنی ہیں۔ چنانچہ آیات ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷ کے بارے میں امام سیوطی صراحت کرتے ہیں کہ یہ آیات مدنی ہیں۔دلچسپ یہ ہے کہ جس آیت کے بارے میں موصوف نے اعتراض کیا ہے کہ یہ مکی آیت ہے اس سے استدلال کس طرح درست ہوگا؟ اس آیت کے بارے میں بھی علامہ ابن الغرس کے حوالہ سے علامہ سیوطی نقل کرتے ہیں کہ بعض لوگوں کے نزدیک وہ بھی مدنی ہے۔(۳۸)

سورہ شوریٰ کی آیت ۴۰ { جزاء سیئة سیئة مثلها } سے استدلال کے جواب میں موصوف لکھتے ہیں:

> ''اکثر مفسرین اور فقہاء کا خیال ہے کہ اس آیت میں جراحات کا بدلہ لینے کا ذکر ہوا ہے۔(حاشیہ میں جلالین کا حوالہ ہے) یعنی جارح نے جس قسم کی جراحت پہنچائی ہے اسی کے مثل مجروح بھی جراحت پہنچائے گا۔مثلاً اگر کسی نے ضرب لگا کر دانت توڑ دیا ہے تو وہ بھی قصاص میں دانت توڑ سکتا ہے۔اور چاہے تو جارح کو معاف کر دے۔امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے۔مجاہد اور سدی کہتے ہیں کہ یہ برے کلام کا جواب ہے۔اگر کوئی اخزاک اللہ کہے تو تم بھی اس کو ایسا ہی کہہ دو یعنی اخزاک اللہ اس سے تجاوز نہ کرو۔(حاشیہ میں فتح القدیر شوکانی کا حوالہ ہے) اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ کہ جناب بدر احمد مجیبی نے لفظ سیئہ کی جو تشریح کی ہے یعنی اس کا اطلاق نہ صرف قتل عمد پر کیا بلکہ اس سے معافی کا حکم بھی نکال لیا وہ نص قرآن کے خلاف ہے یا نہیں؟'' (معارف دسمبر ۲۰۱۳ء، ص ۴۱۳)

ہم نے اپنے گزشتہ مضمون میں سات تفسیروں کے حوالے دیئے تھے۔موصوف نے ان کا کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا۔بغوی، طبرانی، ابن جوزی، خازن، ماوردی، جلالین، شوکانی۔ان میں پہلی چار تفسیروں میں صراحت موجود ہے کہ یہ حکم عام ہے۔مقاتل کہتے ہیں کہ یہ جراحات اور دماء دونوں سے متعلق ہے۔

قال مقاتل: معنی ھذہ الآیۃ فی القصاص فی الجراحات والدماء۔ (۳۹)

جراحات سے مراد کسی کو جسمانی ضرب لگانا یا اس کے جسم میں قطع و برید کرنا ہے جس میں اسی طرح کا قصاص واجب ہوتا ہے۔ اس کو فقہا قتل فیما دون النفس کہتے ہیں۔ اور دماء سے مراد کسی انسان کو قتل کرنے یعنی قتل عمد کے مسائل ہیں جن میں قصاص واجب ہوتا ہے۔ (۴۰)

اس کے بارے میں کچھ دوسرے مفسرین کے حوالے ملاحظہ ہوں۔ علامہ ابن عادل دمشقی لکھتے ہیں:

قال مقاتل: یعنی القصاص فی الجراحات والدماء (۴۰)	مقاتل کہتے ہیں کہ اس سے جراحات اور دماء میں قصاص مراد ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے:

قال مقاتل: یعنی القصاص وھی الجراحات والدماء (۴۱)	مقاتل کہتے ہیں کہ اس سے قصاص مراد ہے اور وہ جراحات اور دماء میں ہے۔

خطیب شربینی لکھتے ہیں:

قال مقاتل: یعنی القصاص فی الجراحات والدماء (۴۲)	مقاتل کہتے ہیں کہ اس سے جراحات اور دماء میں قصاص مراد ہے۔

موصوف نے اس آیت میں سیئہ کے بارے میں اکثر مفسرین کا خیال جراحات کا بتایا ہے اور قتل عمد سے شدومد سے انکار کیا ہے اور حوالہ صرف جلالین کا دیا ہے جس کی عبارت ہم گزشتہ مضمون میں پیش کر چکے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ جلالین کی عبارت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جراحات میں قصاص سے اس کا تعلق ہے۔ اس میں دماء سے انکار نہیں ہے اور دوسرا حوالہ انہوں نے فتح القدیر کا دیا ہے کہ یہ برے کلام کا جواب ہے۔ لیکن علامہ شوکانی نے اس سے قبل جو اصل چیز تحریر کی ہے اس کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ وہ یہ عبارت ہے جو میرے گزشتہ مضمون میں بھی موجود ہے۔

وظاھر ھذا العموم۔ (۴۳) یعنی یہ آیت عام ہے۔ یہ صرف جراحات کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس میں خون (قتل عمد) کے مسائل بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مفسرین نے اس کی صراحت کی ہے۔

نواب صدیق حسن قنوجی بھی ایسا ہی لکھتے ہیں:

{وجزاء سيئة سيئة مثلها} فبين سبحانه أن العدل في الانتصار هو الاقتصار على المساواة وظاهر هذاالعموم۔ (۴۴)	{وجزاء سيئة سيئة مثلها} اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ بدلہ لینے میں انصاف ہے۔اور وہ برابری پر اقتصار کرنا ہے۔ظاہر یہ ہے کہ اس حکم میں عموم ہے۔

اس لیے ان کا یہ کہنا کہ اس آیت کا تعلق صرف جراحات سے ہے قتل عمد سے نہیں ہے درست نہیں ہے۔تقریباً دس مفسرین کی صراحت پیش کردی گئی ہے۔جراحات اور قتل عمد اور دیگر مسائل، برا کہنا وغیرہ سب سے اس کا تعلق ہے اور یہ حکم عام ہے سب کو شامل ہے۔

حدیث کے بارے میں ایک گمراہ کن نظریہ: موصوف سورہ مائدہ کی آیت ۴۸ پیش کر کے لکھتے ہیں:

''اس آیت میں نبیؐ کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ ''بما أنزل اللہ'' یعنی قرآن کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کریں۔معلوم ہوا کہ رسول اکرمؐ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سب قرآن ہی سے مستفاد ہے۔تمام محقق علماء نے یہی بات لکھی ہے۔امام شافعی کا قول ہے کہ نبی نے جن باتوں کا حکم دیا ہے وہ سب قرآن سے ماخوذ ہیں''۔(مقدمہ فی اصول التفسیر، امام ابن تیمیہ،ص ۹۳) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی ''الخیر الکثیر'' میں لکھا ہے کہ ''سنت قرآن ہی سے مستنبط ہے''۔(الخیر الکثیر،ص ۸۷)اس سلسلے میں یہ آیت بھی پیش نظر رہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (النجم:۴)	وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، یہ تو بس وحی ہے جو(اس کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔

اب اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ایسی آتی ہے جس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی ہے لیکن وہ نص قرآن کے معارض ہے تو دو میں سے ایک صورت اختیار کی جائے گی۔ایک یہ کہ اس کو بالکلیہ رد کر دیا جائے۔کیونکہ نبیؐ قرآن کے برخلاف کوئی بات کہہ ہی نہیں سکتے تھے۔امام شاطبی نے اپنی معروف کتاب ''الموافقات'' میں درج ذیل روایت نقل کی ہے:

ما أتاكم عني فاعرضوه على كتاب الله، فإن وافق كتاب الله فأنا قلته وإن

خالف کتاب اللہ فلم أقلہ و کیف أخالف کتاب اللہ، و بہ ھدانی اللہ (الموافقات ۴/ ۱۳)

میری طرف منسوب جو بات تمہارے پاس آئے اسے کتاب اللہ پر پیش کرو (یعنی اس کی روشنی میں اسے جانچ لو) اگر وہ کتاب اللہ کے موافق ہو تو وہ میرا قول ہوگا اور اگر اس کے برخلاف ہو تو وہ میرا قول نہیں ہوگا اور میں کیسے کتاب اللہ کی مخالفت کرسکتا ہوں جب کہ اللہ نے اسی کے ذریعہ مجھے سیدھی راہ دکھائی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حدیث میں جو تعارض ہو اس کو دور کرکے اسے مطابق قرآن کیا جائے اور اگر یہ تعارض دور نہ ہوسکے تو پھر کوئی صحیح تر حدیث لی جائے اور ضعیف روایت کو چھوڑ دیا جائے۔ (معارف دسمبر ۲۰۱۳ء، ص ۴۱۳، ۴۱۴)

یہ انتہائی گمراہ کن نظریہ ہے اور سلف صالحین کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بس وہ صرف قرآن سے مستفاد ہے۔ لہٰذا جب کسی کے فہم ناقص میں کوئی حدیث قرآن کے خلاف نظر آئے گی تو وہ اس کو بالکلیہ رد کردے گا یا پھر اس کو توڑ مروڑ کر اپنی فہم ناقص سے قرآن کے مطابق کرلے گا۔ اس نظریہ کی خرابی کی وضاحت کے لیے اس کے علمی جائزہ کی ضرورت ہے۔ اس لیے اس پر کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

اولاً: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انھوں نے سورہ مائدہ کی جو آیت پیش کی ہے {فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ} اس میں اور اس سے انھوں نے جو نتیجہ نکالا ہے دونوں میں کوئی مطابقت ہی نہیں ہے۔ یہ آیت اہل کتاب سے متعلق ہے کہ وہ فیصلے کے لیے آپ کے پاس آتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کے درمیان ان کی کتابیں تورات و انجیل سے فیصلے نہیں کریں کیونکہ وہ محرف ہوچکی ہیں۔ آپ پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس سے ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ نیز اس کا تعلق حدود سے متعلق فیصلوں سے ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تفسیر طبری میں منقول ہے۔ اب اس آیت سے یہ مطلب کیسے نکل سکتا ہے کہ تمام احادیث قرآن سے مستفاد ہیں۔ اس آیت میں کتب سابقہ کے مقابلہ میں قرآن کا ذکر کیا گیا ہے کہ کتب سابقہ محرف ہوچکی ہیں اس لیے آپ کتب سابقہ سے نہیں قرآن سے فیصلہ فرمائیں۔ سنت کے مقابلہ میں نہیں کہا گیا ہے کہ سنت سے فیصلہ نہیں فرمائیں۔ اس لیے اس آیت سے یہ مطلب نکالنا کہ تمام احادیث قرآن سے مستفاد

ہیں سراسر تفسیر بالرای بلکہ تحریف معنوی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے۔

ثانیاً: وہ لکھتے ہیں کہ تمام محقق علماء نے یہی بات لکھی ہے۔ اپنے ان تمام محقق علماء کو انہوں نے شمار نہیں کرایا ہے کہ وہ کتنے ہیں؟ اکابر مفسرین کی ایک بڑی تعداد کے اقوال پیش کرنے پر وہ اطمینان سے کہہ دیتے ہیں کہ ان سے چوک ہوگئی ہے اور یہاں پر تمام محقق علماء میں صرف امام شافعیؒ کا ایک ناقص قول نقل اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا ایک غیر واضح قول ذکر کردیا ہے۔ ان دونوں اقوال کی وضاحت آگے آرہی ہے۔ جمہور امت سے اختلاف کرنے والوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے شاذ قول کو محققین کا قول بتا کر پیش کرتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

ثالثاً: امام شافعیؒ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ تمام احادیث کو قرآن سے مستفاد مانتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک حدیث کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے یہ ان کی طرف غلط انتساب ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الرسالہ'' میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ پہلے انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو سنت ہے ان چیزوں میں جن میں اللہ تعال کا کوئی حکم نہیں ہے وہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی پیش کیا ہے۔ آپؐ کی سنت کتاب اللہ کے ساتھ یعنی قرآن میں مذکور احکام کے موافق بھی ہے اور ایسی سنت بھی ہے جس میں کتاب اللہ کی نص نہیں ہے۔ یعنی کتاب اللہ میں وہ احکام ذکر نہیں کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تمام سنت کی اتباع ہم لوگوں پر لازم کی ہے اور آپؐ کی اتباع میں ہی طاعت رکھی ہے اور سنت کی اتباع سے انکار وسرکشی میں معصیت رکھی ہے۔ اس کی تائید میں ایک مشہور حدیث پیش کی ہے:

> ''میں تم سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ تخت پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا ہو کوئی ایسا معاملہ اس کے سامنے آئے میں نے جس میں کوئی حکم دیا ہے یا کسی چیز سے منع کیا ہے اور وہ یہ کہے کہ میں اس کو نہیں جانتا ہوں، جو کچھ میں نے کتاب اللہ میں پایا اس کی اتباع کی ہے''۔ (۴۵)

اس کے بعد انہوں نے سنت کی تین قسمیں کی ہیں:

پہلی قسم: سنت میں ذکر کردہ احکام قرآن میں مذکور احکام کے موافق ہیں۔ یعنی قرآن میں جو احکام ذکر کیے گئے ہیں سنت میں بھی ویسے ہی احکام ہیں۔ دونوں میں مطابقت پائی جارہی ہے۔

دوسری قسم: سنت کے ذریعہ قرآن کی تفسیر۔قرآن میں بہت سارے مجمل احکام ہیں جن کی تفسیر نہیں کی گئی ہے۔سنت نے ان کے اجمال کو دور کر دیا ہے اوران کی تفسیر وتوضیح کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو معنی مراد لیے ہیں ان کی وضاحت کردی ہے۔عام میں جہاں تخصیص کی ضرورت ہے وہاں تخصیص کردی ہے۔

تیسری قسم: سنت کے وہ احکام جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔وہ صرف سنت ہی سے ثابت ہیں۔ان میں سنت خود مستقل اصل شریعت کی حیثیت رکھتی ہے۔ان احکام کی بھی اتباع لازم ہے۔

انہوں نے مثالوں سے سنت کی ہر قسم کی تفصیلی وضاحت بھی کی ہے۔آخر میں خلاصہ اس طرح کرتے ہیں۔

كل ما سن رسول الله مع كتاب الله من سنة فهي موافقة كتاب الله في النص بمثله وفي الجملة بالتبيين عن الله، والتبيين يكون أكثر تفسيراً من الجملة ۔ وماسن ممالیس فيه نص كتاب الله فبفرض الله طاعته عامة في أمره تبعناه (۴۶)	حضرت رسول اللہؐ نے کتاب اللہ کے ساتھ جو سنت دی ہے (الف) وہ اسی کے مثل نص میں کتاب اللہ کے موافق ہے۔(ب) وہ اجمالی چیزوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے (رسول اللہؐ کے ذریعہ) تبیین (وضاحت) ہے اور یہ تبیین اجمال کی تفسیر سے زیادہ ہے۔(ج) اور وہ سنت ہے جس میں کتاب اللہ کی نص موجود نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی طاعت کو عمومی طور سے فرض کرنے کی وجہ سے ہم اس کی اتباع کرتے ہیں۔

امام شافعی کی اس صراحت کے بعد کیا کوئی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ امام شافعی تمام احادیث کو قرآن سے مستفاد مانتے ہیں۔انہوں نے تو صراحت سے بتایا کہ سنت کی ایک قسم قرآن میں مذکور احکام کے موافق ہے۔دوسری قسم قرآن کے مجمل احکام کی تبیین وتفسیر ہے۔اور تیسری قسم میں ایسے احکام ہیں جن کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ان تینوں قسموں کی اتباع لازم ہے۔

امام شافعی کا جو قول انہوں نے مقدمہ اصول التفسیر سے نقل کیا ہے اس کا مطلب زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے جو فیصلے فرمائے ہیں وہ قرآن کے مفاہیم کے مطابق

ہیں۔ اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ تمام احادیث قرآن سے ہی مستفاد ہیں۔ کیونکہ شریعت اسلامی میں سنت ایک مستقل اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن کے بعد اس کا درجہ ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں ارشاد نبویؐ ہے:

ألا إني اوتيت الکتاب و مثله معه (ابوداؤد) مجھے کتاب اور اس کے مثل چیز دی گئی ہے۔

رابعاً: الخیر الکثیر کے حوالہ سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرف انہوں نے اس قول کی نسبت کی ہے کہ سنت قرآن ہی سے مستنبط ہے۔ انہوں نے خاص وجہ سے کتاب کی اصل عبارت نقل نہیں کی۔ آیئے الخیر الکثیر کی اصل عبارت دیکھیں۔

نحن قد تتبعنا جمیع ما وصل إلینا من الأحادیث الواردة فی کتاب الصلوة فوضح لنا أنها مستنبطة کلها من کتاب الله سبحانه و تعالٰی۔ (۴۷)

کتاب الصلوٰۃ سے متعلق وارد تمام احادیث جو ہمیں ملی ہیں ان کا ہم نے تتبع کیا تو ہم پر یہ بات واضح ہوئی کہ یہ سب کتاب اللہ سے مستنبط ہیں۔

کیا اس میں تمام احادیث کے بارے میں عمومی اعتبار سے شاہ ولی اللہ دہلویؒ حکم فرمارہے ہیں کہ وہ کتاب اللہ سے مستنبط ہیں یا صرف نماز کے مسائل سے متعلق احادیث کے بارے میں اپنی ذاتی جستجو کا نتیجہ پیش کررہے ہیں کہ مجھے تلاش و جستجو کے بعد ایسا معلوم ہوا۔ شاہ صاحبؒ نے نماز سے متعلق احادیث کے بارے میں اپنی ذاتی رائے ذکر کی ہے کہ تتبع سے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ قرآن سے مستنبط ہیں۔ اس کو موصوف نے شاہ صاحب کا عمومی حکم بنادیا کہ شاہ صاحبؒ تمام احادیث کو قرآن سے مستنبط مانتے ہیں۔ یہ ان کی غلط بیانی ہے۔ حدیث کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریہ کیا تھا اس کے لیے ان کی معروف و مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت دیکھیے۔ وہ فرماتے ہیں:

اعلم أن ماروی عن النبی ﷺ و دون فی کتب الحدیث علی قسمین: أحدهما ما سبیله سبیل تبلیغ الرسالة و فیه قوله تعالی {وما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم

جان لیں کہ رسول اللہؐ سے جو احادیث مروی ہیں اور کتب حدیث میں جمع کی گئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم ان احادیث کی ہے جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے۔ اس قسم کے بارے میں

عنه فانتهوا} ومنه علوم المعاد و عجائب الملكوت وهذا كله مستند إلى الوحي ومنه شرائع وضبط للعبادات والارتفاقات بوجوه الضبط المذكورة فيما سبق وهذه بعضها مستند إلى الوحي وبعضها مستند إلى الاجتهاد واجتهاده ﷺ بمنزلة الوحي لأن الله تعالى عصمه من أن يتقرر رأيه على الخطأ وليس يجب أن يكون اجتهاده استنباطاً من المنصوص كما يظن بل أكثره أن يكون علمه الله تعالى مقاصد الشرع وقانون التشريع والتيسير والإحكام فبين المقاصد المتلقاة بالوحي بذلك القانون۔ وثانيهما: ماليس من باب تبليغ الرسالة وفيه قوله صلى الله عليه وسلم إنما أنا بشر إذا أمرتكم بشيئ من دينكم فخذوه وإذا أمرتكم بشيئ من رأيي فإنما أنا بشر۔(۴۸)

ارشاد الٰہی ہے۔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ، اسی قسم سے معاد کے علوم اور ملکوت کے عجائبات ہیں، ان تمام چیزوں کا مدار وحی پر ہے۔ اسی قسم میں سے شرعی احکام اور عبادات وارتفاقات کے انضباطات ہیں، ضبط کے ان وجوہ کے ذریعہ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ان میں سے بعض کا مدار وحی پر ہے اور بعض کا اجتہاد پر ہے اور رسول اللہ کا اجتہاد وحی کے درجہ میں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خطا پر برقرار رہنے سے آپ کی رائے کو محفوظ رکھا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ آپ کا اجتہاد منصوص سے استنباط کیا ہوا ہو جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ بلکہ آپ کے اجتہادات کی صورت اکثر یہ ہوتی تھی کہ شریعت کے مقاصد، شریعت سازی، سہولت دینے اور تحفظ (ملت) کے قوانین کی تعلیم آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جاتی تھی تو آپ وحی کے ذریعہ حاصل مقاصد و مطالب اس قانون کے ذریعہ بیان فرماتے تھے۔ دوسری قسم ان احادیث کی ہے جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے نہیں ہے، اس قسم کے بارے میں ارشاد رسالت ہے۔ میں ایک انسان ہوں جب تم کو دین کی کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب اپنی رائے سے کسی چیز کا حکم دوں تو میں انسان ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اس عبارت سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان کے نزدیک

احادیث کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے، اس میں سے بعض کا مدار مکمل طور سے وحی پر ہے، اور بعض کا مدار وحی اور اجتہاد دونوں پر ہے لیکن آپ کا اجتہاد بھی بہ منزلہ وحی کے ہے۔ دوسری قسم کا تعلق تبلیغ رسالت سے نہیں ہے۔ پہلی قسم کے بارے میں انہوں نے صراحت سے کہہ دیا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد نص سے مستنبط ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامی طور پر بھی آپ کی تعلیم ہوتی تھی۔ اس تفصیل سے موصوف کے اس گمراہ کن نظریہ کی تردید ہوجاتی ہے کہ تمام احادیث قرآن سے مستنبط ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی طرف اس کا انتساب بھی باطل ثابت ہوجاتا ہے۔

خامساً: موصوف نے اپنے اس باطل نظریہ کی تائید میں بہت فراخدلی سے قرآن کریم کی ایک آیت بھی پیش کردی ہے۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (النجم: ۴) (وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو بس وحی ہے جو (اس کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔) تعجب ہے کہ یہ آیت تو ان کے نظریہ کے بالکلیہ خلاف ہے۔ اس کو انہوں نے کس طرح اپنے باطل نظریہ کے لیے پیش کردیا ہے۔ اس آیت کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں۔ مفسرین نے دونوں مفہوم لیے ہیں۔ (۱) یہ قرآن سے متعلق ہے کہ آپ کفار و مشرکین کے سامنے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے قرآن کی جو آیات پیش کررہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ کفار ان کو آپ کی اپنی بنائی ہوئی سمجھ رہے تھے۔ ان کے اس باطل خیال کی تردید اس میں کی گئی ہے۔ (۲) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ رسول اللہؐ جو کچھ فرماتے ہیں یعنی آپ کے بتائے ہوئے اوامر و نواہی، احکام و مسائل سب اللہ تعالی کی طرف سے ہیں۔ اسی نے ان چیزوں کی آپ کو وحی کی ہے۔ اس اعتبار سے اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو حدیث ألا إني أوتيت الكتاب و مثله معه (ابوداؤد) میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی لیے علمائے کرام نے وحی کی دو قسمیں کی ہیں۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ پہلی قسم قرآن ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور دوسری قسم سنت ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے۔

موصوف تو اس کے قائل ہیں کہ ساری احادیث قرآن سے ماخوذ یا مستفاد ہیں۔ جب کہ اس آیت اور اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حدیث باقاعدہ منزل من اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے۔ اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے کس فراخ دلی سے اس آیت کو پیش کر

دیا ہے جو ان کے نظریہ کے بالکل خلاف ہے۔

سادساً: موصوف نے اپنے اس نظریہ کی دلیل میں علامہ شاطبی کی الموافقات سے ایک حدیث پیش کردی ہے۔ یہ معلوم رہنا چاہیے کہ الموافقات صحاح ستہ یا دیگر کتب احادیث کی طرح حدیث کا کوئی مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ مقاصد شریعت سے متعلق علامہ شاطبی کی ایک کتاب ہے۔ اس میں ہر طرح کی صحیح و سقیم احادیث موجود ہیں۔ دوسروں سے صحاح ستہ کی حدیث کا مطالبہ کرنے والے اور مستند کتب حدیث کی احادیث کو رد کرنے والے خود کس روایت سے استدلال کررہے ہیں وہ بھی دیکھ لیں۔ یہ روایت حدیث کی کس کتاب میں ہے اس کا کوئی تذکرہ بھی نہیں کیا ہے۔ یہ بھی واضح نہیں کیا کہ حدیث کا درجہ کیا ہے؟ وہ قابل استدلال ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے ذریعہ احادیث کے پورے ذخیرہ کو مشکوک قرار دیا جارہا ہے، بلکہ متروک کیا جارہا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ محدثین اس روایت کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

امام ابن بطہ عکبری (م ۳۸۷ھ) اپنی کتاب ''الابانۃ الکبری''میں لکھتے ہیں:

> ''ابن ساجیؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے۔ مجھے امام علی بن مدینیؒ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انھوں نے کہا کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس کو زندیقوں نے گھڑا ہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ ابن ساجیؒ اور ابن مدینیؒ نے سچ کہا ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ اس حدیث کے خلاف ہے۔ اس کے قائل اور اس کے گھڑنے والے کی تکذیب کرتی ہے''۔ صحیح حدیث اور رسول اللہؐ کا جاری طریقہ اس کی تردید کرتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ {فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا} (نساء:۶۵) (آپ کے پروردگار کی قسم! وہ لوگ ایمان والے نہیں ہوں گے جب تک یہ لوگ آپس کے جھگڑے میں آپ کو حکم نہیں بنالیں۔ پھر آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو پوری طرح تسلیم نہ کرلیں)''۔

اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو جس چیز کا حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی سمع وطاعت کریں۔ آپ کے اقوال کے بارے میں قیاسی باتیں نہ کہیں اور ان کے لیے مخارج نہ تلاش کریں۔ نہ

کتاب اللہ اور نہ کسی اور چیز سے ان کا معارضہ کریں۔ بلکہ آپ کے اقوال کو ایمان، تصدیق اور تسلیم کے ساتھ قبول کریں جب صحیح روایت سے ثابت ہوں۔(۴۹)

امام ابن عبدالبر مالکی تحریر کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی طاعت اور اتباع کا مطلق حکم دیا ہے۔اس کو کسی چیز کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے، یہ نہیں فرمایا ہے کہ جو کتاب اللہ کے موافق ہو۔جیسا کہ بعض اہل زیغ کہتے ہیں۔امام عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو زنادقہ اور خوارج نے گھڑا ہے۔یعنی یہ روایت کہ ''میری جو حدیث تم کو ملے تو تم اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو۔اگر وہ کتاب اللہ کے مطابق ہے تو وہ میں نے کہا ہے اور اگر مخالف ہے تو میں نے نہیں کہا ہے۔میں کتاب اللہ کے موافق ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اسی کے ذریعہ مجھے ہدایت دی ہے''۔فن حدیث کے ماہرین کے نزدیک یہ الفاظ حضرت رسول اللہؐ سے صحیح طور سے ثابت نہیں ہیں۔کچھ لوگوں نے اس روایت کو قرآن پر پیش کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس گھڑی ہوئی حدیث کو ہم نے کتاب اللہ پر پیش کیا تو خود اسی حدیث کو کتاب اللہ کے مخالف پایا۔کیونکہ ہم کتاب اللہ میں یہ نہیں پاتے کہ ہم صرف ان ہی احادیث کو قبول کریں جو کتاب اللہ کے موافق ہوں بلکہ ہم یہ پاتے ہیں کہ کتاب اللہ سے ہر حال میں مطلق آپ کے اسوہ کی اتباع اور آپ کی اطاعت کا حکم ملتا ہے اور آپ کے احکام کی مخالفت سے تحذیر ملتی ہے''۔(۵۰)

امام بدرالدین زرکشی (م ۷۹۴ھ) لکھتے ہیں:

''وہ حدیث جو ثوبان کے طریق سے قرآن پر احادیث کو پیش کرنے کے حکم کے بارے میں مروی ہے اس کے بارے میں امام شافعیؒ ''الرسالۃ'' میں تحریر کرتے ہیں کہ اس کو کسی نے بھی چھوٹی یا بڑی کتاب میں صحیح سند سے روایت نہیں کیا ہے۔امام حدیث یحییٰ بن معینؒ نے اس پر یہ حکم لگایا ہے کہ وہ موضوع ہے، زندیقوں نے اس کو گھڑا ہے۔علامہ ابن عبدالبرؒ ''جامع بیان العلم'' میں کہتے ہیں کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ نے کہا کہ زنادقہ اور خوارج نے اس حدیث

کو گھڑا ہے‘‘۔(۵۱)

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

’’ثوبان کی سند سے قرآن پر احادیث کو پیش کرنے کے حکم کے بارے میں جو حدیث مروی ہے اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ یہ موضوع ہے زنادقہ نے اس کو گھڑا ہے۔امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اس کو کسی نے بھی چھوٹی یا بڑی کتاب میں ایسے شخص سے روایت نہیں کیا ہے جس کی حدیث ثابت ہو۔علامہ ابن عبدالبرؒ ’’جامع العلم‘‘ میں کہتے ہیں کہ عبدالرحمان بن مہدیؒ نے کہا کہ زنادقہ اور خوارج نے اس حدیث کو گھڑا ہے۔کچھ لوگوں نے اس روایت کو قرآن پر پیش کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس گھڑی ہوئی حدیث کو ہم نے کتاب اللہ پر پیش کیا تو خود اسی حدیث کو کتاب اللہ کے مخالف پایا۔کیونکہ ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں۔

وَمَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۵۲) رسول جو کچھ دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

اور

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۵۳) کہہ دیجیے کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا۔

اور

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۵۴) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ ’’سنت کو کتاب اللہ کی ضرورت ہونے سے زیادہ کتاب اللہ کو (وضاحت کے لیے) سنت کی ضرورت ہے۔علامہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ سنت کتاب (کے معانی) کا فیصلہ کرتی ہے اور اس کے مراد کو واضح کرتی ہے۔ یحیی بن ابی کثیرؒ کہتے ہیں کہ سنت کتاب (کے معانی) کا فیصلہ کرنے والی ہے‘‘۔(۵۵)

سابعاً: اس روایت کے بارے میں خود علامہ شاطبی کیا کہتے ہیں؟ وہ بھی دیکھ لیں۔ وہ اس حدیث کی تصحیح نہیں کرتے بلکہ بعض دوسرے لوگوں سے اس روایت کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

> ''امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کہتے ہیں، زندیقوں اور خوارج نے اس حدیث کو گھڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ فن حدیث کے ماہرین کے نزدیک یہ الفاظ رسول اللہؐ سے صحیح طور سے ثابت نہیں ہیں۔ کچھ لوگوں نے اس روایت کا معارضہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہم اسی حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کرتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب ہم نے اس کو کتاب اللہ پر پیش کیا تو خود اسی کو کتاب اللہ کے مخالف پایا۔ کیونکہ ہم نے کتاب اللہ میں کہیں پر یہ نہیں پایا کہ حدیث نبوی کو اسی وقت ہم قبول کریں جب وہ کتاب اللہ کے موافق ہو۔ بلکہ ہم کو کتاب اللہ سے مطلق اسوہ نبوی پر عمل پیرا ہونے اور اطاعت نبوی کا فرمان ملتا ہے اور ہر حال میں آپ کے تمام اوامر کی مخالفت سے ڈرایا گیا ہے۔ یہ ان لوگوں کے خلاف ہے جو اس کے قائل ہیں کہ سنت کتاب اللہ کی طرف راجع ہے۔ اسی طریقے سے متاخرین کے بہت سے گروہ گمراہ ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ متقدمین میں بھی ایسا ہوا۔ لہٰذا اس قول کو اختیار کرنا اور اس کی طرف مائل ہونا صراط مستقیم سے دور ہو جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری اس سے حفاظت فرمائے''۔ (۵۶)

علامہ شاطبی کے نزدیک بھی اس روایت کا درجہ اور معیار معلوم ہو گیا۔ اب دیکھیے کہ موصوف نے موافقات سے صرف روایت نقل کر لی ہے اور اس کے آگے جو اس روایت کے درجے کی وضاحت کی گئی ہے اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کیا یہ دیانت داری کا تقاضا ہے؟ ایسی حدیث جس کو محدثین موضوع قرار دے رہے ہیں اس سے کس شان سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔ کہیں سے اس طرف یہ اشارہ بھی نہیں ہونے دیا کہ یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے۔ ایسی جرأت شاذ و نادر ہی دیکھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے۔

(باقی)

''تاریخ دکن'' ایک نادر تصنیف

پروفیسر معین الدین عقیل

حیدرآباد دکن یا مملکت آصفیہ حیدرآباد ہندوستان کے ان علاقوں میں سے ایک ہے، جو اپنی تاریخی اہمیت اور اپنی تہذیبی شان و شوکت کے لحاظ سے ایک انفرادی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مورخین نے بھی اس علاقے اور اس کی تاریخ اور اس کی تہذیبی انفرادیت پر کماحقہ توجہ دی ہے اور اس طرح کثیر تعداد میں اس خطے پر تاریخی کتب لکھی جاتی رہیں، جو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ، کتب خانوں اور علمی ذخیروں میں موجود ہیں۔ اسی ضمن میں دکن یا مملکت حیدرآباد کی تاریخ پر مولانا سید ابوالاعلی مودودی (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) کی دو تصانیف ''دولت آصفیہ اور مملکت برطانیہ، سیاسی تعلقات کی تاریخ پر ایک نظر'' (۱) اور ''دکن کی سیاسی تاریخ'' (۲) بھی اہم اور معروف ہیں۔ اگرچہ مولانا مودودی ایک مفکر و عالم کی حیثیت و شہرت کے حامل ہیں لیکن ابھی جب انہوں نے اسلامی مطالعات اور اپنی تحریک اسلامی کا آغاز نہیں کیا تھا، انہوں نے تاریخ کے مطالعے اور تصنیف و تالیف اور تراجم میں زیادہ دلچسپی لی تھی اور اپنی نوجوانی ہی میں متعدد اہم مقالات و کتابیں تصنیف کیں جو شائع بھی ہوئیں۔ مذکورہ دو تصانیف اسی ضمن میں ان کی ابتدائی کاوشیں ہیں۔ ان میں اول الذکر تو ایک عصری تناظر میں لکھی گئی تھی اور ایک تاریخی تسلسل اور عمومی دلچسپی کا اس میں احاطہ نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن خود مملکت آصفیہ کی تاریخ جس میں اس کے قیام کا پس منظر اور عہد بہ عہد حالات و واقعات شامل ہوں، مولانا مودودی کی نظر میں اس کی ضرورت موجود تھی۔ چنانچہ اپنی اس اول الذکر کتاب کی تصنیف اور اشاعت کے بعد انہوں نے اس ضرورت کے ذیل میں اپنی اس تصنیف کے لیے جب وہ ۱۹۳۰ء میں بھوپال میں چند ماہ مقیم رہے تو مواد جمع کرنا شروع کیا تھا اور وہاں سے جولائی ۱۹۳۱ء میں حیدرآباد منتقل ہوئے تو وہاں

پاکستان۔

اسی جستجو اور ماخذ کی جمع آوری میں منہمک ہو گئے (۳)۔ ان کا ارادہ ایک مفصل تاریخ لکھنے کا تھا جو چار جلدوں پر مشتمل ہوتی۔ انہوں نے اس کا آغاز بھی کر دیا تھا لیکن اسے دیکھ کر ان کے ایک مقامی دوست مولوی احمد عارف نے مشورہ دیا کہ ان کا منصوبہ تحقیقی مطالعہ کرنے والوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ایسی کتاب کی ضرورت بھی موجود ہے جو مبتدی طلبہ کے لیے ہو۔ یہ مشورہ انہیں پسند آیا چنانچہ انہوں نے اس پر عمل شروع کر دیا اور بہت آسان اسلوب میں دکن کے عہد قدیم سے قطب شاہی عہد تک کے مختصر حالات لکھ دیے۔ پھر یہ طے ہوا کہ خود مولوی احمد عارف بھی اس تصنیف میں شریک ہو جائیں گے چنانچہ مولوی احمد عارف نے اس میں شامل کرنے کے لیے مغلیہ عہد اور آصف جاہی عہد کے حالات تحریر کیے۔ اس طرح ایک مشترکہ کوشش سے ایک مختصر کتاب ''تاریخ دکن'' مرتب ہو گئی اور شائع بھی ہو گئی (۴)۔ یقین کیا جا سکتا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر خود مولانا مودودی نے اپنی ''خودنوشت'' میں ''مختصر تاریخ دکن'' کے طور پر کیا ہے لیکن اس کا ذکر ان کی تصانیف کی کسی فہرست میں نظر نہیں آتا (۵) اور نہ اس کا پھر کہیں کسی جگہ ذکر ہوا۔ جب کہ دکن کے تعلق سے مولانا مودودی کی کل کاوشوں پر اور دکن و حیدر آباد سے ان کی نسبتوں پر خاص طور پر ڈاکٹر محمد رفیع الدین فاروقی نے حیدر آباد میں رہ کر داد تحقیق بھی دی۔ (۶)

مولانا مودودی کے یہ دوست مولوی احمد عارف (م ۱۹۴۹ء) حیدر آباد دکن کے معزز اور معروف شخص تھے۔ وہاں کے اکابر میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ادب اور فنون لطیفہ سے خاصی دلچسپی تھی (۷)۔ وہ صحافت سے منسلک تھے اور ایک بہت موقر اخبار ''صبح دکن'' کے مدیر تھے۔ اس اخبار کو قومی تحریکوں میں قومی امنگوں کی ترجمانی اور حکومت وقت کی تائید و حمایت کی وجہ سے خاصی مقبولیت حاصل تھی۔ (۸)

مولانا مودودی کی یہ غیر معروف اور نادر تصنیف اگرچہ طلبہ کے لیے لکھی گئی تھی لیکن اس کے لیے محنت اور اہتمام خاصے کیے گئے تھے۔ خود انہوں نے بیان کیا ہے کہ اس کا تاریخی مواد نہایت معتبر و مستند مآخذ سے اخذ کیا گیا ہے اور ایسے واقعات شامل کرنے سے گریز کیا گیا ہے جن کی سند مشکوک ہو۔ کوشش کی گئی ہے کہ طلبہ کے ذہن میں دکن اور اس کے جغرافی، نسلی، لسانی، تاریخی اور معاشرتی حالات کی ایک صاف اور واضح تصویر نقش ہو جائے۔ یہ بھی کوشش کی گئی کہ جو قومیں اس علاقے میں

وارد ہوئیں اور جو حکومتیں یہاں قائم ہوئیں، ان کے زمانی اور جغرافی حدود اور ان کے پیدا کردہ تغیرات اور ان کے قائم کردہ اثرات کو نمایاں کیا جائے۔ اس کا ایک امتیاز یہ ہے کہ تاریخ دکن کے متعلق جو نظریات قائم کر لیے گئے تھے ان سے صرف نظر کرتے ہوئے وہ نظریات اختیار کیے گئے ہیں جو جدید تحقیقات و مطالعات کا نتیجہ ہیں۔ مصنّفین کے اس عمل کے پس پشت مزید اہم بات یہ بھی ہے کہ طلبہ کے ذہن میں ابھی سے ایک غیر محسوس طور پر تاریخ کے فلسفیانہ مطالعہ کا ذوق پیدا ہو جائے۔(۹)

چونکہ یہ کتاب طلبہ کے لیے لکھی گئی تھی اور اس کا مقصد بظاہر انہیں دکن کی تاریخ سے واقف کرانا تھا لیکن ساتھ ہی وہ ان میں تاریخ کے مطالعے کا ذوق وشوق عام کرنے اور ابھی سے ان میں ایک ''غیر محسوس طور پر تاریخ کے فلسفیانہ مطالعے'' کا ذوق پیدا کرنے کے لیے ایسے اہتمام بھی اس کتاب میں کرتے نظر آتے ہیں، جو منفرد ہیں۔ مثلاً اس کتاب کو موضوعات اور عہد کے لحاظ سے آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا لیکن ہر باب کو ذیلی اسباق میں بھی تقسیم کیا گیا، تاکہ طلبہ ہر عہد کی ذیلی موضوعاتی تفریق و تقسیم کی مصلحت سے بھی واقف ہو سکیں اور تاریخ کو ان کے تناظر میں سمجھ سکیں۔ پھر اساتذہ سے بھی مولانا مودودی کو یہ توقع ہے کہ تاریخ پڑھاتے ہوئے وہ پہلے اپنے سبق کا ایک عمومی خاکہ طلبہ کے ذہن نشین کریں اور دوسرے مرحلے میں واقعات یاد کرائیں۔ لیکن تفصیلات بیان کرتے ہوئے غیر اہم شخصیات اور سنین کو زیادہ اہمیت نہ دیں۔ اساتذہ سے انہیں یہ بھی توقع ہے کہ تاریخ پڑھانے سے پہلے خود غور کریں کہ تاریخ کے کون سے واقعات زیادہ اہم ہیں اور نقشہ بھی اچھی طرح خود ذہن نشیں کریں اور طلبہ کو بھی ذہن نشین کرائیں۔ ان کے خیال میں ہر تاریخی تغیر اور اہم واقعے کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے نقشوں سے رجوع کرنا ضروری ہے(۱۰)۔ اس حکمت کے تحت مصنّفین نے نقشوں کا اہتمام بڑی محنت سے کیا ہے اور ان کی مدد سے ہر عہد کی جغرافیائی حد بندیوں کو واضح کیا ہے۔ نسلوں اور زبانوں کے لحاظ سے بھی نقشے شامل کیے گئے ہیں۔

مولانا مودودی نے اس کتاب کے چھ ابواب تحریر کیے، جن کے عنوانات یہ ہیں: ہمارا ملک اور اس کے باشندے؛ دولت آصفیہ کا رقبہ اور آبادی؛ پرانے زمانے کی تاریخ؛ دکن کی آریہ اور دراوڑ ریاستیں؛ دکن میں مسلمانوں کی آمد؛ سلطنت بہمنیہ؛ دکن کی پانچ ریاستیں۔ یہ ابواب کل ۱۷۱ صفحات پر مشتمل ہیں، جب کہ کتاب کی کل ضخامت ۲۲۴ صفحات ہے۔ اس طرح ۵۳ صفحات مولوی احمد عارف

نے تحریر کیے تھے۔

یہ کتاب دکن کی تاریخ نویسی میں مولانا مودودی کی ایک درمیانی کڑی ہے۔اس کی تمہید میں جو باتیں تاریخ کے ضمن میں انہوں نے تحریر کیں،ان سے اوراس کتاب کے خاکے سے تاریخ نویسی کے تعلق سے ان کے نقطہ نظر کو اخذ کرنا کچھ مشکل نہیں۔دکن کی تاریخ کے ضمن میں اس تصنیف یا اولین تصنیف سے قطع نظر،ایک مبسوط تصنیف کی صورت میں ایک بڑا منصوبہ ان کے پیش نظر رہا جس کا آغاز انہوں نے بڑی دل جمعی اور محنت سے اپنی نسبتاً ضخیم تصنیف ''دکن کی سیاسی تاریخ'' سے کیا جو مارچ ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی۔یہ کتاب اگرچہ ایک وسیع تر منصوبے کے تحت لکھی گئی تھی اور مولانا مودودی اسے چالیس ابواب تک وسعت دینا چاہتے تھے لیکن یہ محض قیام مملکت آصفیہ (۱۷۲۴ء) کے پس منظر ہی کا احاطہ کرتی ہے اور بانی مملکت نظام الملک آصف جاہ اول (۱۶۶۱۔۱۷۴۸ء) کے دور آخر تک کا بھی احاطہ نہ کیا جا سکا اور نادر شاہ (م ۱۷۴۷ء) کے حملہ دہلی (۱۷۳۹ء) پر اس تاریخ کا اختتام ہو جاتا ہے۔جس قدر بھی تاریخی واقعات اور سیاسی حالات اس میں یکجا ہو گئے ہیں وہ مفصل ہیں اور ان کے بیان کرنے میں خاصی وضاحت روا رکھی گئی ہے۔

''تاریخ دکن'' کی نایابی اور ندرت اور مولانا مودودی کی ایک غیر معروف تصنیف ہونے کے باعث،اس کا دیباچہ اور فہرست مضامین،مع صفحات نمبر،ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

دیباچہ: (ص ۱) تین چار سال سے میں دکن کی ایک مفصل تاریخ لکھنے میں مشغول ہوں،جس کے متعلق میرا اندازہ ہے کہ چار جلدوں میں تمام ہوگی۔اس کے بعض حصوں کو دیکھ کر میرے دوست مولوی احمد عارف صاحب نے یہ رائے دی کہ یہ کتاب تحقیقی مطالعہ کرنے والوں کے لیے مفید ہو سکتی ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ایسی کتاب کی بھی ضرورت ہے جس میں مبتدی طلبہ کے لیے تاریخ کا ایک مختصر اور واضح خاکہ کھینچا جائے۔ان کی اس تجویز کے مطابق میں نے قدیم زمانے سے قطب شاہی عہد تک کے مختصر حالات لکھ دیے اور ان پر مغل اور آصف جاہی عہد کے حالات کا اضافہ مولوی احمد عارف صاحب نے کیا۔اس متحدہ کوشش سے یہ کتاب مرتب ہوئی۔

جہاں تک کتاب کے حسن و قبح کا تعلق ہے اس کو جانچنا ناقدین کا کام ہے۔البتہ ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے حتی الامکان اس کا تاریخی مواد نہایت معتبر و مستند مآخذ سے اخذ کیا ہے اور

ایسے واقعات درج کرنے سے پرہیز کیا ہے جن کی سند مشتبہ ہو۔

اس کتاب میں جن باتوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے وہ یہ ہیں کہ مبتدی طلبہ کے ذہن میں دکن اور اس کی جغرافی، نسلی، لسانی، تاریخی اور عمرانی حالات کی ایک صاف اور واضح تصویر منقش ہو جائے۔ مختلف زمانوں میں جو قومیں یہاں (ص ۲) آئیں اور جو سلطنتیں قائم ہوئیں ان کے زمانی اور جغرافی حدود، ان کے پیدا کردہ تغیرات اور ان کے چھوڑے ہوئے اثرات کو طلبہ کی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے، روشن خطوط کے ساتھ نمایاں کر دیا گیا ہے۔ پرانی لکھی ہوئی کتابوں کی تقلید میں دکن کی تاریخ کے متعلق جو نظریات قائم کر لیے گئے تھے، ان کو چھوڑ کر وہ نظریات اختیار کیے گئے ہیں جو جدید تحقیق و مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ کوشش کی گئی ہے کہ مبتدی طلبہ کے ذہن میں ابھی سے ایک غیر محسوس طور پر تاریخ کے فلسفیانہ مطالعہ کی بنا پڑ جائے۔

بچوں کو یہ کتاب پڑھاتے وقت اساتذہ کو دو باتوں کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہیے:

ایک یہ کہ دو دفعہ پڑھائی جائے۔ پہلی دفعہ میں تاریخ کا صرف ایک عمومی خاکہ ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جائے اور دوسری دفعہ میں تفصیلات یاد کرائی جائیں۔ مگر تفصیلات میں بھی غیر اہم اشخاص اور سنین کی طرف زیادہ توجہ نہ کی جائے۔

دوسری یہ کہ ہر سبق کو پڑھانے سے پہلے استاد خود اس کو غور سے پڑھے اور یہ رائے قائم کرے کہ اس سبق میں کون سی باتیں اہم ہیں، نیز وہ نقشہ کی مدد سے اس سبق کو اچھی طرح سمجھ بھی لے۔ پھر وہی سبق بچوں کو لکچر کے انداز میں پڑھائے اور بار بار نقشہ سے مدد لیتا جائے۔ اس کتاب میں جو نقشے دیے گئے ہیں صرف ان ہی پر اعتماد کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ ہر تاریخی تغیر اور اہم واقعہ کو سمجھانے کے لیے نقشہ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کتاب میں اتنے نقشے نہیں دیے جا سکتے۔

۹/محرالحرام سنہ ۱۳۵۱ھ ابوالاعلیٰ مودودی

فہرست مضامین

دولت آصفیہ کا رقبہ اور آبادی، ۱۳؛ حدود، ۱۳؛ دو بڑے حصے، ۱۳؛ پہاڑ، ۱۴؛ دریا، ۱۵؛ تالاب اور جھیلیں، ۱۶؛ موسم، ۱۷؛ پیداوار، ۱۸؛ معاش، ۱۹؛ زبانیں، ۲۰؛ صوبے اور اضلاع، ۲۱۔

باب دوم: پرانے زمانے کی تاریخ۔ پہلا سبق: تاریخ کسے کہتے ہیں؛ تاریخ کس طرح معلوم ہوتی ہے، ۲۵۔ دوسرا سبق: قدیم باشندے، ۲۷؛ آریوں کی آمد، ۲۸؛ دراوڑوں اور آریوں کا مقابلہ، ۲۹۔ تیسرا سبق: دکن کی دراوڑ ریاستیں، ۳۲؛ دکن میں آریوں کی آمد، ۳۳؛ رام چندر جی، ۳۳؛ مہاراج ارجن، ۳۵۔

باب سوم: دکن کی آریہ اور دراوڑ ریاستیں۔ پہلا سبق: دکن پر آریوں کا قبضہ، ۳۷؛ اشوک کی سلطنت، ۳۸۔ دوسرا سبق: آندھرا کی ریاست، ۳۹؛ شاکہ قوم کا حملہ، ۴۱۔ تیسرا سبق: کالنگا کی ریاست، ۴۳؛ دکن کی دوسری ریاستیں، ۴۴۔ چوتھا سبق: دکن میں گپتا کی فتوحات، ۴۵۔ پانچواں سبق: کدمب، مہابلی اور گنگا کی ریاستیں، ۴۸؛ پالو خاندان، ۴۹؛ چالوکیہ خاندان، ۵۱۔ چھٹا سبق: راشٹرکوت خاندان، ۵۴؛ دوسرا چالوکیہ خاندان، ۵۷۔ ساتواں سبق: پانڈے خاندان، ۶۰؛ ہوے سال خاندان، ۶۱؛ یادو خاندان، ۶۳؛ کاکتیہ خاندان، ۶۴۔

باب چہارم: دکن میں مسلمانوں کی آمد۔ پہلا سبق: عرب سے دکن کے قدیم تعلقات، ۶۶؛ دکن میں مسلمان، ۶۷؛ دکن میں اسلام، ۶۸؛ ہندو ریاستوں سے مسلمانوں کا تعلق، ۶۸۔ دوسرا سبق: ہندوستان میں مسلمان کس طرح آئے، ۶۹؛ سندھ کی فتح، ۷۰؛ پنجاب کی فتح، ۷۰؛ بنگال، بہار، مالوہ اور گجرات کی فتح، ۷۱؛ آریوں کی فتح اور مسلمانوں کی فتح کا مقابلہ، ۷۲۔ تیسرا سبق: دکن پر علاء الدین کا پہلا حملہ، ۷۳؛ دیوگری کی فتح، ۷۵؛ ورنگل کی فتح، ۷۶؛ کرناٹک کی فتح، ۷۷؛ دیوگری پر مسلمانوں کا قبضہ، ۷۸۔ چوتھا سبق: ہندو ریاستوں کی بغاوت، ۸۰؛ دکن کی دوبارہ فتح، ۸۰؛ تغلق خاندان کی حکومت، ۸۱؛ ورنگل کا الحاق، ۸۱۔ پانچواں سبق: دولت آباد میں دارالسلطنت، ۸۳؛ دکن میں محمد تغلق کی سلطنت کی حدود، ۸۴؛ ہندوستان میں بغاوتیں، ۸۴؛ مدھرا کی بغاوت، ۸۵؛ کرناٹک کی بغاوت، ۸۶؛ تلنگانہ کی بغاوت، ۸۷؛ مرہٹواڑی کی بغاوت، ۸۷؛ دکن کی آزادی، ۸۹؛ دکن کی ریاستوں کی حدود، ۸۹۔

باب پنجم: سلطنت بہمنیہ۔ پہلا سبق: حسن غانگو، ۹۱۔ دوسرا سبق: محمد شاہ، ۹۶۔ تیسرا سبق:

۲۰۴؛ ٹیپو سلطان سے جنگ، ۲۰۵؛ مرہٹوں سے جنگ، ۲۰۶؛ ٹیپو سلطان سے آخری جنگ، ۲۰۷؛ انگریزوں سے دوستی، ۲۰۷۔ چوتھا سبق: نواب سکندر جاہ بہادر، ۲۰۸؛ میر عالم بہادر، ۲۰۹؛ راجہ چند ولال، ۲۱۰؛ مرہٹوں سے لڑائیاں، ۲۱۰؛ نواب ناصر الدولہ بہادر، ۲۱۱؛ برار پر انگریزی قبضہ، ۲۱۲؛ سرسالار جنگ بہادر، ۲۱۲؛ نواب افضل الدولہ بہادر، ۲۱۴؛ نواب میر محبوب علی خان بہادر، ۲۱۵؛ انتظام ریاست، ۲۱۵؛ برار کی علاحدگی، ۲۱۶۔ پانچواں سبق: اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان بہادر، ۲۱۶؛ مسند نشینی، ۲۱۷؛ وزراء، ۲۱۸؛ اوصاف اور کارنامے، ۲۱۹؛ انتظام حکومت کی اصلاح، ۲۲۰؛ عدالت کی اصلاح، ۲۲۰؛ آرائش بلدہ، ۲۲۱؛ تعمیرات، ۲۲۱؛ ریلیں، ۲۲۲؛ امداد باہمی، ۲۲۲؛ تعلیم کی ترقی، ۲۲۳۔

حواشی

(۱) شائع کردہ کتب خانہ رحیمیہ، دہلی ۱۹۲۸ء۔ یہ تصنیف بعد میں ۱۹۴۱ء میں عبدالحق اکیڈمی حیدرآباد نے دوبارہ شائع کی۔ اس کی دوسری اشاعت میں کچھ ترامیم بھی شامل کی گئی تھیں، جیسے ''معاہدۂ برار'' کا متن اضافہ کیا گیا۔ اس کی مزید ایک اشاعت (سوم) کا اہتمام ہفت روزہ ''آئین'' لاہور نے ۲۵/ جون ۱۹۸۷ء میں اپنی خصوصی اشاعت کے طور پر کیا۔ (۲) مطبوعہ دارالاشاعت سیاسیہ، حیدرآباد دکن، ۱۹۴۴ء؛ بعد میں یہ کتاب اسلامک پبلیکیشنز لاہور سے اگست ۱۹۶۸ء میں اور پھر جون ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی۔ (۳) سید ابوالاعلیٰ مودودی، ''خودنوشت''، (مشمولہ ''ادب اور ادیب، سید مودودی کی نظر میں''، مرتبہ سفیر اختر، دارالمعارف، واہ کینٹ، جنوری ۱۹۹۸ء، ص ۲۹۔ (۴) مطبع عہد آفریں، حیدرآباد، ۱۳۵۱ھ۔ (۵) مشمولہ ''ادب اور ادیب، سید مودودی کی نظر میں''، ص ۱۹، ۴۳؛ اس تصنیف کا ذکر اور اشاعتی تفصیلات کسی اور جگہ دستیاب نہیں۔ یہاں تک کہ نصیر الدین ہاشمی صاحب نے ''دکن کی تاریخوں پر ایک نظر'' (مشمولہ ''تاریخ وسیاست''، کراچی، نومبر ۱۹۵۳ء، ص ۶۱۔۹۸) کے عنوان سے اپنی مرتبہ وضاحتی فہرست میں بھی اس کا ذکر نہیں کیا، جو ان کی قریب العہد تصنیف ہے۔ اس تصنیف کے دو نسخے ''کتب خانہ انجمن ترقی اردو'' کراچی میں شمار: الف ۱۹/ ۳، ۱۰ اور ۱۱ کے تحت موجود ہے۔ راقم نے اس تصنیف پر ایک علاحدہ تعارفی مضمون تحریر کیا ہے۔ (۶) مقالہ بعنوان ''مولانا مودودی اور حیدرآباد دکن''، مشمولہ ''تذکرۂ سید مودودی''، مرتبہ جمیل احمد رانا، سلیم منصور خالد، ج ۳، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۳۱۲۔

۱۳۳۱۔(۷)سید محمد جعفری "اسٹار پریس، الہ آباد، سن ندارد، ص ۴۴۴-۴۴۵؛"صبح وطن" ۱۹۲۸ء میں جاری کیا تھا، سید ممتاز مہدی "حیدرآباد کے اردو روزناموں کی ادبی خدمات"، قومی کونسل برائے قومی زبان، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء، ص ۴۱؛ دارالعلوم، حیدرآباد سے فارغ التحصیل تھے۔ ۱۹۴۸ء میں یہ اخبار بند ہوگیا، طیب انصاری "حیدرآباد میں اردو صحافت"، ادبی ٹرسٹ حیدرآباد، ۱۹۸۰ء، ص ۶۰۔(۸)اس اخبار میں اسی زمانے میں کہ جب یہ کتاب لکھی جارہی تھی، مولانا مودودی نے دکن کی تاریخ کے ایک اہم اور غیر مطبوعہ ماخذ "فتوحات آصفی"، مصنفہ ابوالفیض معنی کا بغائر مطالعہ کیا اور ایک مفصل مقالہ اس کی اہمیت اور خصوصیات ومندرجات پر لکھا جو اس اخبار کے "سالگرہ نمبر" ۱۳۵۱ھ میں شائع ہوا۔ مولانا مودودی کا یہ اہم مقالہ بھی غیر معروف اور غیر مدون ہے۔ اس مقالے کی اہمیت کے پیش نظر ایک ضروری تعارف وحواشی کے ساتھ راقم نے اسے بغرض اشاعت علاحدہ مرتب کیا ہے۔(۹)ص ا۔ (۱۰)ص ا-۲۔

اخبار علمیہ

''وزارت تعلیم، اٹلی کا ایک حکم''

اٹلی کی وزارت تعلیم نے تہذیبی تصادم کی فضا کو ختم کرنے اور کثیر ثقافتی ماحول میں مفاہمت اور تحمل و رواداری کے ساتھ زندگی گزارنے کا ہنر سکھانے کی غرض سے ابتدائی اسکولوں کو ہدایت دی ہے کہ ہر اسکول میں اس موضوع پر طلبہ سے ہر ہفتہ ایک گھنٹہ گفتگو کے لیے مخصوص کریں۔ اور انہیں بتائیں کہ رنگ، ملک اور مذہب کی بنیاد پر کسی سے نفرت و کدورت یا تفریق مناسب نہیں۔ اس میں مسلمان طلبہ پر خاص طور پر زور دیا گیا تھا۔ موجودہ حالات میں تمام ہی مذاہب کے بچوں کو اس قسم کی تربیت کی ضرورت ہے۔ اسلام نے تو چودہ سو برس پہلے بھی لا فضل لعربی علی عجمی کہہ کر اس قسم کی تمام تفریقات کو ختم کر دیا تھا۔ (بحوالہ صراط مستقیم، برمنگھم، نومبر ۲۰۱۵ء)

''میگا فون یا کو''

دنیا کی معروف کمپنی پیناسونک نے خود بخود ترجمہ کرنے والا جادوئی لاؤڈ اسپیکر ''میگا فون یا کو'' کے نام سے متعارف کرایا ہے۔ اس وقت اس کو ٹوکیو کے بین الاقوامی ایئرپورٹ پر آزمایا جا رہا ہے۔ جب لاؤڈ اسپیکر پر کوئی شخص جاپانی میں بولتا ہے تو اس میں موجود سافٹ ویر خود بخود چینی، انگریزی اور کورین زبانوں میں ترجمہ نشر کرتا ہے۔ اس کے اوپر ایک ٹچ اسکرین ہے جس کو ترجمہ کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دوران سفر زبانوں سے عدم واقفیت اور رابطہ میں پیش آنے والی مشکلات پر قابو پانے کے لیے رواں سال کے شروع میں اس کمپنی نے ہتھیلی سائز کی ڈیوائس متعارف کرائی تھی جسے مسافر گلے میں پہن لیتا تھا، یہ ڈیوائس دس زبانوں کا ترجمہ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ زیر تذکرہ ڈیوائس مکمل طور پر کامیاب ہو یا نہ ہو لیکن اس سے بہر حال کچھ نہ کچھ آسانی ضرور پیدا ہوئی ہے۔ مذکورہ بالا میگا فون یا کو کے متعلق ایرپورٹ کے عملے کا یہ کہنا ہے کہ گزشتہ سال بیرون ملک سے آنے والے سیاحوں سے رابطہ میں ہمیں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس مشکل نے ہمیں اس ڈیوائس کو تیار کرنے پر آمادہ کیا۔ اس سے جاپانیوں کی اپنے مشکلات پر قابو پانے کی صلاحیت اور فکر دونوں کا

اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ (اخبار مشرق، ۱۴/دسمبر ۲۰۱۵ء)

”اسلامی اصولوں کے مطابق فضائی پرواز“

مسلم ممالک میں ملیشیا نے معتدل اسلامی تعلیمات کے مبلغ کے طور پر اپنی شناخت بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔اس نے ”حلال منرل واٹر“ اور ”اسلامک اسپیڈ ڈیٹنگ ویب سائٹ“ وغیرہ شروع کرکے اپنی اس حیثیت میں اضافہ کیا ہے۔اب اس ملک نے اسلامی اصولوں کے مطابق پہلی فضائی کمپنی کا آغاز کیا ہے جس کا نام ”رایاتی ایرنامی“ ہے۔اس نے عزم کیا ہے کہ دوران پرواز اسلامی شریعت کے مطابق مسافروں کو حلال کھانا پیش کیا جائے گا۔ مے نوشی کی اجازت قطعاً ممنوع ہوگی۔ پرواز سے پہلے دعائے سفر لازماً پڑھی جائے گی۔ کمپنی کے ڈائریکٹر جعفر زمہاری نے کہا کہ فضائی میزبان خواتین کے یونیفارم میں ستر پوش اور غیر مسلم ارکان کو شائستہ اور مہذب لباس زیب تن کرنا ضروری ہوگا۔انہوں نے مزید کہا ہے کہ وقت کے ساتھ شریعت کے ہم آہنگ پہلوؤں میں مزید اضافہ بھی کیا جائے گا۔ (العربیہ ڈاٹ نٹ، ۲۰/۱۲/۲۰۱۵ء)

”امریکی اموات میں اضافے کا اہم سبب“

امراض کو قابو میں کرنے اوران سے تحفظ کرنے والے ادارہ سی ڈی سی نے اپنی حالیہ رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ امریکہ میں درد کی دوا کے حد سے زیادہ استعمال کے سبب ہلاک ہونے والوں کی تعداد میں اس سال سات فیصد اضافہ ہوا ہے۔رپورٹ کے مطابق ۴۷ ہزار امریکیوں کی موت درد کی دوا کے بے دریغ استعمال کے سبب واقع ہوئی۔٦ فیصد اموات کی وجہ افیون سمیت نشہ اور ادویات کا استعمال ہی بتایا گیا ہے۔امریکہ کی چودہ ریاستوں میں شمالی مشرقی اور جنوبی ریاستیں اس وبا سے زیادہ متاثر ہیں۔اس صورت حال کے پیش نظر محکمۂ صحت نے اطباء کو درد کی دوائیں لکھنے میں احتیاط کی ہدایت کی ہے اور درد کو زائل کرنے کے لیے ”نیلوگزون“ کے استعمال پر زور دیا۔ (بی بی سی اردو ڈاٹ کام، ۱۵/۱۲/۲۰۱۵ء)

”بیوٹی فل فروزن“

٦۲ سالہ چینی خاتون ڈاکٹر گونگ ژن ہوائی (Gong Xunhui) ایک ایسی پراسرار بیماری کی

شکار ہیں جس کے باعث وہ زبان، ہاتھ اور پیروں تک کی جنبش و حرکت سے معذور ہوگئی ہیں۔ لیکن اس جسمانی معذوری کے باوجود انہوں نے دماغ کی قوت اور آنکھ کے اشارے سے اپنی سوانح لکھ ڈالی۔ رپورٹ کے مطابق ان کے اہل خانہ نے تین برس قبل انہیں ایک ایسا کمپیوٹر فراہم کیا جس میں ایسا سافٹ ویر موجود ہے کہ جب وہ آنکھوں کے ذریعہ کسی لفظ کو منتخب کر کے اپنی پلکوں کو جنبش دیتی ہیں تو وہ لفظ اسکرین پر آ جاتا ہے۔ اس طرح اس باہمت خاتون نے لاکھوں بار اپنی پلکیں جھپکائیں اور اپنے سوانح زندگی پلکوں سے تحریر کر دیے۔ چین کے سی سی ٹی وی نیوز نے آنکھوں کے اشارے سے کمپیوٹر پر لکھنے اور حروف سے جملے بنانے کی تصویر بھی انٹرنٹ پر مشتہر کی ہے۔ انہوں نے تیرہ ماہ میں روزانہ تین ہزار حروف کے تناسب سے ۳۱۸ صفحات پر مشتمل اپنی سوانح لکھی ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر انہوں نے اشارۂ چشم سے ڈیڑھ لاکھ الفاظ لکھے۔ اس کتاب کا نام انہوں نے ''بیوٹی فل فروزن'' (مفلوج خوبصورت شخص) رکھا ہے۔ رپورٹ کے مطابق انہوں نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اشارہ چشم و ابرو سے لکھی جانے والی دنیا کی یہ پہلی کتاب باصلاحیت لیکن معذور اشخاص کے لیے یقیناً حوصلہ افزائی کا باعث ہوگی۔ اس مرض کے شکار اشخاص بالعموم پانچ برس سے زیادہ زندہ نہیں رہتے لیکن یہ مشیتِ ایزدی ہے کہ وہ تیرہ برس سے اس میں مبتلا ہیں پھر بھی زندہ ہیں۔ قابل ذکر بات ہے کہ وہ اپنی اس کتاب کی آمدنی سے اس مرض کے شکار مریضوں کے لیے آکسیجن خریدنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ (یہ خبر العربیہ ڈاٹ نٹ پر دیکھی جاسکتی ہے)

''غیر ملکیوں سے شادی کے رجحان میں اضافہ''

سال رواں میں ۴۴ سعودی خواتین نے امریکی اور یورپی مردوں سے شادیاں رچائیں۔ اخبار ''الوطن'' کی رپورٹ میں کہا گیا کہ اس سال ۱۲۳۴ خواتین غیر ملکیوں کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئیں، جس میں ۵۵ یمنی، ۱۵۲ کویتی، ۱۱۸ شامی، ۸۵ مصری، ۱۵۹ اماراتی، ۴۹ فلسطینی اور ۴۸ پاکستانی تھے۔ مغربی ملکوں میں امریکہ اور کینیڈا کے ۱۷ مردوں نے سعودی خواتین سے رشتۂ ازدواج استوار کیا، جب کہ یورپی ملکوں سے تعلق رکھنے والے ۲۷ مردوں نے بھی سعودی خواتین سے نکاح کیا۔ (العربیہ ڈاٹ نٹ، ۲۱/۱۲/۲۰۱۵ء)

ک، ص اصلاحی

معارف کی ڈاک

نیوی، نوائت اور سید صاحب
ایک وضاحت

ریاض، سعودی عرب

۱۵/دسمبر ۲۰۱۵ء

مکرمی مدیر معارف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معارف اکتوبر ۲۰۱۵ء کے شمارے میں ڈاکٹر راہی فدائی صاحب نے انگریزی کے لفظ ''نیوی'' کے بارے میں لکھا تھا کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنی کتاب ''عربوں کی جہاز رانی'' میں نوائط کی تشریح کرتے ہوئے یہ نکتہ پیش کیا کہ ''انگریزی کا لفظ نیوی نوائت سے لیا گیا ہے کیونکہ اس خاندان کے افراد فن جہاز رانی کے ماہر تھے اور پرتگیزیوں سے قبل سمندری تجارت کی باگ ان کے ہاتھ میں تھی''۔ اور اس اقتباس کے لیے حوالہ تاریخ النوائط ص ۱۱ کا دیا تھا۔

راقم کو اسی وقت یہ بات کچھ عجیب سی لگی تھی کہ فاضل مضمون نگار نے اصل ماخذ یعنی ''عربوں کی جہاز رانی'' کے بجائے جو مطبوعہ اور دستیاب ہے ایک ثانوی ماخذ کا سہارا کیوں لیا! پھر نومبر کے شمارے میں ڈاکٹر ف۔ عبدالرحیم صاحب کا خط چھپا جس میں انہوں نے بتایا کہ سید صاحب کی یہ رائے درست نہیں ہے۔ انگریزی کا لفظ نیوی لاتینی زبان سے ماخوذ ہے، نوائت سے اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔

میرے پاس یہاں ریاض میں سید صاحب کی یہ کتاب موجود نہیں تھی۔ گذشتہ دنوں وطن جانا ہوا تو اس کا ایک نسخہ ساتھ لایا۔ کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ ڈاکٹر راہی فدائی نے اس کا جو اقتباس تاریخ النوائط کے حوالے سے نقل کیا اس کا کہیں پتا نہیں۔ دوسری

طرف سید صاحب نے بھی لفظ نیوی کو اسی طرح لاتینی بتایا جس طرح ڈاکٹر ف۔عبدالرحیم صاحب نے! سید صاحب کے الفاظ (ضروری اختصار کے ساتھ) ملاحظہ ہوں:

> ”اسی طرح بحر روم کے عرب بحریوں میں جہاز چلانے والے کے لیے نوتی کا لفظ مستعمل ہے۔ یہ لفظ شعرائے جاہلیت (اعشیٰ) اور صحابہ کے زمانے میں ہم کو ملتا ہے..... اس لفظ کو عربی وزن میں کر کے نوّات کی صورت میں بھی بولا گیا ہے ..... یہ لفظ عربی میں قدیم زمانے سے مستعمل ہے مگر یہ خالص عربی نہیں۔ جوہری نے صحاح میں تصریح کی ہے کہ یہ اہل شام کا محاورہ ہے.....اس سے پتہ چلتا ہے کہ رومی راستے سے یہ لفظ شام ہو کر عرب میں آیا ہے۔ یہ اصل میں لاطینی لفظ NAUTIANS ہے جس سے فرنچ میں NAUTIQUE اور انگریزی میں نیوی NAVY نیویگیشن NAVIGATION .....وغیرہ لفظ بنے ہیں .....جنوبی ہندوستان میں ایک شریف عربی النسل قوم نائت اور نوائت آباد ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ وہ ان ہی نوّاتین یعنی عرب جہاز رانوں کی اولادیں ہیں جو بعد کو سواحل ہند پر آباد ہو گئی تھیں“۔
>
> (مطبوعہ دارالمصنّفین اعظم گڑھ ۲۰۱۴ء، ص ۶)

علمی تحریروں میں ثانوی حوالوں سے بچنے پر جو زور دیا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ حوالے لازماً ناقابل اعتبار ہوتے ہیں، بلکہ یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ نقل کرنے میں کوئی چوک نہ ہو گئی ہو اور اکثر دیکھا گیا کہ اصل بات کچھ سے کچھ ہو گئی۔

راقم نے ڈاکٹر ف۔عبدالرحیم صاحب کو سید صاحب کی اصل رائے سے مطلع کیا تو انہیں سخت رنج ہوا اور خود فاضل مضمون نگار کو بھی یقیناً افسوس ہوگا کہ ان کی ذرا سی بے احتیاطی سے ایک ایسی بات سید صاحب کی جانب منسوب ہو گئی جو انہوں نے کہی ہی نہیں۔

والسلام

(ڈاکٹر) محمد اجمل اصلاحی

وفیات

جناب احمد منزوی مرحوم

(۱۸ ربیع الثانی ۱۳۴۱-۲۸ صفر ۱۴۳۷ھ/ ۱۹۲۵-۲۰۱۵ء)

ڈاکٹر عارف نوشاہی

ممتاز ایرانی فہرست نویس اور ماہر کتابیات و مخطوطات، احمد منزوی ۱۱ دسمبر ۲۰۱۵ء کو ۹۰ سال کی عمر پا کر، تہران میں وفات پا گئے۔ وہ معروف ایرانی شیعہ عالم دین اور ماہر کتابیات، شیخ محمد محسن مشہور بہ آقا بزرگ طہرانی کے بیٹے تھے۔ آقا بزرگ تہرانی کتابیات اور رجال پر دو نہایت اہم کتب ''الذریعہ الی تصانیف الشیعہ'' اور ''طبقات اعلام الشیعہ'' کے مصنف ہیں۔ احمد منزوی کے بڑے بھائی علی نقی منزوی بھی ممتاز مخطوطہ شناس تھے۔ اس طرح یہ پورا خاندان علمی اور فن مخطوطہ شناسی سے وابستہ تھا۔

احمد منزوی ۱۹۲۵ء میں عراق کے شہر سامرہ میں ان ایام میں پیدا ہوئے جب ان کے والد عراق میں قیام پذیر تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم عراق میں ہی ہوئی، لیکن مزید تعلیم کے لیے وہ اپنے وطن ایران آ گئے اور دانش کدہ معقول و منقول، تہران سے اسلامی علوم میں بی اے کیا اور بعد میں یہیں رہ گئے اور بندر انزلی کے ایک سرکاری مدرسے میں پڑھاتے رہے۔ وہ کچھ عرصہ ایران کی کمیونسٹ پارٹی ''حزب تودہ'' سے بھی وابستہ رہے جو شاہ مخالف جماعت تھی۔ اس سیاسی وابستگی اور فعالیت کی پاداش میں وہ چند ماہ انزلی میں قید بھی رہے۔ بعد میں سیاست میں عملی حصہ لینا چھوڑ دیا اور اپنے آبائی پیشہ فہرست نویسی کی طرف آ گئے۔ فہرست نویسی سے وہ ایسے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک کسی اور کام کی طرف دھیان نہ دیا اور کئی کئی جلدوں پر مشتمل مخطوطات کی فہرستیں شایع کیں۔ ان کی بنیادی دل چسپی فارسی مخطوطات سے تھی جسے وہ ایرانی تہذیب اور فارسی ادب کی سرشاری کا ایک بہترین گواہ اور نمونہ سمجھتے تھے۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں وہ ایران سے بطور سیاح برصغیر میں داخل ہوئے۔ ان کی پہلی منزل پاکستان تھی اور وہ آگے ہندوستان بھی جانا چاہتے تھے لیکن پاکستان میں فارسی مخطوطات کی کثرت نے ان کے پاؤں میں ایسی زنجیر ڈالی کہ وہ تیرہ سال تک یہیں مقیم رہے اور مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد سے وابستہ رہ کر مخطوطات کی فہرست نویسی کے حوالے سے کئی

ادارہ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد۔

کارنامے انجام دیے۔ پاکستان میں انہوں نے فارسی مخطوطات کے ایک جامع (یونین کیٹلاگ) کی طرح ڈالی جسے چودہ جلدوں میں مکمل کیا۔ وہ ایسا ہی کام ہندوستان کے فارسی مخطوطات کے لیے بھی کرنا چاہتے تھے، چنانچہ درمیان میں وہ چند ماہ کے لیے پاکستان سے ہندوستان چلے گئے اور دہلی میں ایرانی ثقافتی مرکز کے نیچے کام کرنے والے مرکز تحقیقات زبان فارسی کے لیے کام کیا۔ لیکن ہندوستانی حکومت نے ان کو اقامتی ویزا نہیں دیا اور وہ کام ادھورا چھوڑ کر دوبارہ واپس پاکستان آ گئے۔ پاکستان سے وہ دسمبر ۱۹۹۰ء میں اپنے وطن تہران لوٹ گئے اور وہاں مرکز دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی سے وابستہ ہو کر ایک اور عظیم الشان کام کی طرح ڈالی۔ جس کے تحت فارسی زبان کی ہر کتاب کے مخطوطات اور قدیم اشاعتوں کی نشان دہی ایک جامع فہرست ''فہرست وارۂ کتاب ہائے فارسی'' میں کرنا ہے۔ وہ اپنی بیماری (۲۰۱۳) تک اسی پروجیکٹ پر کام کر رہے تھے۔ جب بڑھاپے کے باعث ان کے اعضا فعال نہ رہے تب بھی وہ پہیوں والی کرسی پر بیٹھ کر اپنے دفتر آتے اور اپنے مسودات کے درمیان گم سم بیٹھے رہتے۔ یہ ان کی کام سے عشق کی بین دلیل ہے۔

جب وہ پاکستان میں مقیم تھے تو مجھے بھی چند سال تک مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان میں ان کے معاون کے طور پر ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا اور ان سے مخطوطہ شناسی کے اسرار و رموز سیکھے۔ انہی کی تربیت کے زیر اثر میں نے بھی فہرست نویسی کا کام شروع کیا۔ جب وہ پاکستان سے چلے گئے تو انھوں نے مجھے اپنے علمی کاموں کا نگراں مقرر کیا اور مجھے ان کاموں کی تکمیل اور اشاعت کی ذمہ داری سونپی۔ جسے میں نے ان کی خواہش کے مطابق پورا کر دیا۔ یہاں ان کے محض چند کارناموں کا ذکر کروں گا جو ہمیشہ محققین کے لیے حوالہ کے طور پر کام آتے رہیں گے:

''۱۔ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی (۶ جلد)، مطبوعہ تہران۔ ۲۔ فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان (۱۴ جلد)، مطبوعہ اسلام آباد۔ ۳۔ فہرست نسخہ ہائے خطی (فارسی) کتاب خانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۵ جلد) مطبوعہ اسلام آباد۔ ۴۔ سعدی بر مبنای نسخہ ہای پاکستان، مطبوعہ اسلام آباد۔ ۵۔ فہرست وارۂ کتاب ہائے فارسی تا حال (۱۱ جلد)، مطبوعہ تہران۔ ۶۔ کتاب خانہ مجلس شوریٰ اسلامی ایران اور کتاب خانہ ملی ملک کے مخطوطات کی فہرست کی بعض جلدیں''۔

احمد منزوی کی زندگی ہی میں ان کے بارے میں دو کتابیں شایع ہو گئی تھیں ''حدیث عشق'' اور ''دانش و فرزانگی''۔

ادبیات

غزل

ڈاکٹر جمیل مانوی

ایک حالت پہ کبھی دل نہیں رہتا میرا
راستہ روکتی رہتی ہے یہ دنیا میرا

آئینہ تیرا، سنورنے کا سلیقہ میرا
منھ تکا کرتی ہے حیرت سے یہ دنیا میرا

تیری قربت نے کیا زندۂ جاوید مجھے
آگیا کام ، ترے قدموں پہ مرنا، میرا

میں بھی چپ رہ کے بچا سکتا تھا پہلو، لیکن
اپنے جذبات پہ قابو نہیں رہتا میرا

جب سے تھاما ہے ترے دست کرم نے مجھ کو
راستہ چھوڑ کے چلتی ہے یہ دنیا میرا

دیکھ کر بھی تجھے، دیدار کی حسرت ہے وہی
کاسۂ چشم بھرے، دل نہیں بھرتا میرا

سچ تو یہ ہے دل برباد بہت یاد آیا
جب ترے رخ پہ کھلا رنگ تمنا میرا

ایک اک کرکے بجھے سارے تعلق کے چراغ
آخر کار اٹھا، خود سے بھروسہ میرا

اب نہ وہ خواب، نہ جذبے نہ تمنا کا ہجوم
دل کے بجھتے ہی بجھا آئینہ خانہ میرا

شہر میں یوں تو ہزاروں سے تعارف ہے جمیلؔ
کوئی ہوتا تو مرے ساتھ ، نہ ہوتا میرا

سہارن پور۔

مطبوعات جدیدہ

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تفسیری نکات (جلد اول): مرتبہ مولانا محمد فرمان ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۵۴۴، قیمت: ۳۰۰روپے، پتہ: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

علامہ سید سلیمان ندوی کے جامع کمالات ہونے میں کوئی کلام نہیں، استاذ الکل اور سید الطائفہ اور سب سے بڑھ کر علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کے فرہاد کہلانے کے وہی مستحق ہوئے۔ان کی علمی زندگی سے اکتساب نور کی کوششیں اب پاکیزہ روایت میں بدل گئی ہیں۔ عالم، مورخ، محقق، سوانح نگار، متکلم، ادیب، شاعر، نقاد ہر حیثیت سے ان کا درجہ بلندترین رہا لیکن ان کے علوم ومعارف کا اگر کوئی عمود تلاش کیا جائے تو وہ صرف فہم قرآن ہے۔وہ فہم جس کا اظہار مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ میں یوں ہوا کہ ''میں نے قرآن مجید کے بارے میں کسی کا فہم اتنا عمیق نہیں پایا'' یہی نہیں بلکہ مولانا علی میاں ندویؒ کی نظر سے ایسا ایک شخص بھی نہیں گزرا جس کا مطالعہ قرآن اتنا وسیع اور عمیق ہو۔اس کے باوجود سید صاحب کی کوئی مستقل تصنیف خالص قرآنیات سے متعلق نہیں، ان کے مقالات ضرور ہیں اور یہ ان کے مجموعہ مقالات کی ایک جلد میں شامل بھی ہیں لیکن ان کی تمام تصانیف بلکہ تحریروں میں موضوع خواہ کچھ بھی ہو نور اسی مطالعہ وفہم قرآن ہی کا بکھرا ہوا ہے۔نور کی ان تجلیات کو سمیٹنے کی ضرورت تھی اور شکر ہے کہ زیر نظر کتاب کے ذریعہ اس ضرورت کو پورا کرنے کا نہایت خوبصورت اور نہایت مفید سلسلہ شروع ہوا۔کتاب چار ابواب میں ہے، پہلا باب سید صاحب کے جامع سوانح اور ان کے تفسیری مزاج سے ہم آہنگ کرنے کا ہے، اس میں ان کے قرآنی ذوق کے علاوہ بعض آیات کے ترجمہ میں سید صاحب کے ترجمہ کا دوسرے مفسرین کے ترجموں کی روشنی میں تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔مطالعہ سلیمانی میں یہ غالباً پہلی کوشش ہے لیکن بہت خوب ہے۔اس کے علاوہ سید صاحب کے درس قرآن بلکہ مطالعہ قرآن کی امتیازی خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں۔ باقی

ابواب میں مکاتیب سلیمانی کے علاوہ اورتحریروں میں آیات سے استناد، ان کے برمحل استعمال والے جملوں کو بڑی دیدہ ریزی سے جمع کیا گیا ہے۔ایک باب میں ان کی کتابوں میں اسمائے حسنیٰ، اسمائے قرآن، شخصیات، اقوام، اماکن اور دوسرے اوربھی الفاظ کی تشریح یا تحقیق یا تفسیر آگئی ہے۔ چوتھے باب میں تفسیری نکات تلاش کیے گئے ہیں، سورہ فاتحہ کے رموز ونکات، سید صاحب کے خاص قرآنی شاگرد مولانا محمد اویس نگرامی ندوی نے مرتب کیے تھے، وہ رسالہ اب عام نہیں، اس لیے اس کو بھی کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔اس طرح یہ کتاب گویا تفسیر سلیمانی کی ایک جدا اور منفرد شکل ہے۔ تفسیر سلیمانی کی اس تشکیل میں فاضل مرتب کا امتحان تھا اور یقیناً وہ سرخ رو ہو کر نکلے، پہلے انہوں نے اس بیش قیمت ذخیرہ کو عربی زبان میں پیش کیا اور اب یہ اردو میں بھی آگیا۔ابھی یہ پہلی جلد ہے، کچھ ابواب باقی ہیں جو انشاءاللہ دوسری جلد میں آئیں گے۔کتاب مولانا سید محمد رابع ندوی، مولانا واضح رشید ندوی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کے تمہیدی کلمات سے مزین ہے، سید صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر سید سلمان ندوی کی تقریظ بھی ہے۔ان سب نے فاضل مرتب کی محنت و دیدہ ریزی اور سلیقہ تدوین کی داد دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ شہ پارے بجائے خود مستقل تفسیر ہیں، ان سے سید صاحب کی قرآن فہمی کا اندازہ ہوگا اور سب سے بڑھ کر قرآن فہمی کے کچھ نئے افق بھی طالبین قرآن کے سامنے آئیں گے۔

انجمن اسلام اور اس کی کریمی لائبریری: از جناب شمیم طارق، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۷۲، قیمت: ۲۵۰/ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، پرنس بلڈنگ، جے، جے ہاسپٹل کارنر، ممبئی ۴۰۰۰۰۳؟۔

ممبئی کی انجمن اسلام کا مقصد مسلمانوں کی اخلاقی، ذہنی اور سماجی بہتری کا حصول تھا، اس مقصد کے لیے یہ انجمن جس وسیع اور وقیع انداز میں مسلسل سرگرم عمل رہی اور اس کے ثمرات ونتائج بھی آتے رہے، تاہم یہ عجیب معاملہ ہے کہ ہندوستان کے دوسرے سرکردہ عصری اور مذہبی تعلیمی اداروں میں اس کا ذکر جس شان سے کیا جانا چاہیے، اس میں کمی کا احساس ہوتا ہے اور اس کی غالباً وجہ یہی ہے کہ ممبئی اور مہاراشٹر سے باہر اس کی عظیم الشان خدمت کا تعارف شایان شان نہیں ہوا۔

زیر نظر کتاب سے کم از کم یہ شکوہ دور ہوتا نظر آتا ہے، جس میں انجمن اسلام اور خاص طور پر اس کی کریمی لائبریری کا جامع اور بڑی حد تک مفصل ذکر ہے، یعنی انجمن کے تمام تعلیمی و ثقافتی اداروں، انجمن اور اردو اور کتابوں و رسالوں کی اشاعت اور اصل موضوع یعنی کریمی لائبری کی تاریخ اور اس کے خزانہ کتب کی تفصیلات آگئی ہیں، ان کے علاوہ ممبئی کی مسلم تاریخ، انجمن اسلام اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مشترکہ اقدار پر بھی فکر انگیز تحریر ہے۔ علامہ شبلی نعمانی، حاجی صابو صدیق اور اسماعیل یوسف کالج کے انجمن سے تعلق پر بھی مضامین ہیں، جس کی وجہ سے یہ کتاب اور بھی دلچسپ اور دلچسپ سے زیادہ معلومات افزا ہوگئی ہے۔ کریمی لائبریری کے ذکر میں فاضل مصنف کا تحقیقی مزاج بھی قابل دید وداد ہے۔ قاضی عبدالکریم کی نسبت وطنی کا معاملہ ہو یا کریمی لائبریری سے پہلے کریمیہ پریس اور مالی معاونت کی بات ہو، انہوں نے اصل مصادر کی تلاش و دریافت کے بعد ہر جزئیہ پر نظر کی اور عمدہ بات یہ بھی کہ انہوں نے عام ذہنوں کے اس سوال کا جواب بھی بڑی تفصیل اور خوبی سے دیا کہ کتب خانوں خصوصاً عربی، فارسی اور اردو کی قدیم اور بوسیدہ کتابوں کو بچانے اور سنبھالنے کے لیے خطیر رقموں کے خرچ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ یہ دور انٹرنیٹ اور سٹیلائٹ کا ہے؟ جواب یہی ہے کہ امت اقرا کی تہذیبی روایت کی تکمیل کے لیے عالم انسانیت کے علمی وارثوں کا فرض ہے کہ وہ الکتاب اور القلم کے ذریعہ العلم کے ہر ممکن فروغ کے لیے کوشاں ہوں۔ کریمی لائبریری کے خزانہ کتب کی تفصیل، اہل علم و تحقیق کے لیے بھی بہت کارآمد ہے۔ فاضل مصنف فکر اور اسلوب دونوں لحاظ سے اپنی شناخت رکھتے ہیں، تحقیق کے ساتھ حق گوئی کی صفت بھی ہے، کتاب میں جا بجا اس کا اظہار ہے۔ کتاب کی اشاعت میں ان کو جن دشواریوں کا سامنا ہوا اس کا اندازہ صرف اسی جملہ سے کیا جا سکتا ہے کہ "راقم الحروف الفاظ اور قلم کی حرمت کے لیے قسطوں میں اپنی سانس اور بینائی صرف کرتا رہا ہے"۔ شکوہ یا جواب شکوہ کی موجودگی سے کلیات اقبال کی افادیت بہر حال کم نہیں ہوتی۔

ع۔ ص

رسید موصولہ کتب

(۱) آخری وحی ۔ اردو ترجمانی کے جدید قالب میں (جلد اول): سید سلمان حسینی ندوی، مکتبۃ الشباب العلمیہ، بروليا، ٹیگور مارگ، لکھنؤ۔ قیمت =/۲۵۰ روپے

(۲) آخری وحی ۔ اردو ترجمانی کے جدید قالب میں (جلد دوم): سید سلمان حسینی ندوی، مکتبۃ الشباب العلمیہ، بروليا، ٹیگور مارگ، لکھنؤ۔ قیمت =/۳۰۰ روپے

(۳) ادب اور قاری: سید قمر صدیقی، الہدیٰ پبلیکیشنز، قاضی واڑہ، دریا گنج، دہلی۔ قیمت =/۱۰۰ روپے

(۴) دانش کدہ: دانش فراہی، ریاض احمد فراہی، رام لیلا میدان، سرائے میر اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا۔ قیمت =/۱۵۰ روپے

(۵) ڈپٹی کلکٹر حافظ محمد عمران خاں صاحب بی اے (جامعہ): مسعود الرحمٰن خاں ندوی ازہری، مکتبہ دین ودانش، ۱۳۰۔ مسجد شکور خان روڈ، بھوپال۔ قیمت =/۱۵۰ روپے

(۶) سید محمد سبحان اللہ عظیم گورکھپوری کا سفرنامہ حج: تقدیم وترتیب اصغر عباس، ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔ قیمت =/۲۰۰ روپے

(۷) شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی ۔ احوال وآثار: مولانا عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی۔ قیمت =/۲۰۰ روپے

(۸) متاع وسیم خیرآبادی: فرید بلگرامی، بلگرامی بلڈنگ، میاں سرائے، خیرآباد، سیتاپور۔ قیمت =/۲۰۰ روپے

(۹) مسلم مجلس مشاورت ایک مختصر تاریخ: محمد علم اللہ، فاروس میڈیا اینڈ پبلیشنگ پرائیویٹ لمیٹڈ، ڈی ۔۷، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، دہلی۔ قیمت =/۲۰۰ روپے

(۱۰) مشائخ الامام محمد بن اسماعیل: سید سلمان حسینی ندوی، المعہد العالی للدراسات الشرعیہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ قیمت =/۴۰۰ روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-	موازنہ انیس و دبیر	100/-
سیرۃ النبیؐ		اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	85/-
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں	2200/-	سفرنامہ روم و مصر و شام	200/-
علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی		کلیات شبلی (اردو)	180/-
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-	کلیات شبلی (فارسی)	45/-
الفاروق	300/-	مقالات شبلی اول (مذہبی)	100/-
الغزالی	200/-	مرتبہ: سید سلیمان ندوی	
المامون	100/-	مقالات شبلی دوم (ادبی) 〃	70/-
سیرۃ النعمان	300/-	مقالات شبلی سوم (تعلیمی) 〃	80/-
سوانح مولانا روم	80/-	مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) 〃	200/-
شعر العجم اول	150/-	مقالات شبلی پنجم (سوانحی) 〃	150/-
شعر العجم دوم	130/-	مقالات شبلی ششم (تاریخی) 〃	90/-
شعر العجم سوم	125/-	مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) 〃	100/-
شعر العجم چہارم	150/-	مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) 〃	110/-
شعر العجم پنجم	120/-	خطبات شبلی مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-	انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی		مکاتیب شبلی اول 〃	150/-
الکلام	230/-	مکاتیب شبلی دوم 〃	190/-
علم الکلام	180/-	شذرات شبلی مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-

ISSN 0974 - 7346 MA'ARIF (URDU) -PRINT
JAN 2016 Vol- 197 (1)
RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP- 43/016
Monthly Journal of
DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
P.O.Box No: 19, Shibli Road, AZAMGARH, 276001 U.P. (INDIA)
Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org
Website: www.shibliacademy.org Fax No: 05462 - 265080
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100
(Office Mobile) 07607046300 / 09170060782

تصانیف و مطبوعات شبلی صدی تقریبات

۱۔	سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)		علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔	شبلی کی آپ بیتی		ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔	دارالمصنّفین کے سو سال		کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔	شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)		مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔	الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی		علامہ شبلی نعمانی تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	350/-
۶۔	محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس		ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۷۔	سیرت عائشہ	(ہندی ترجمہ)	علامہ سید سلیمان ندوی	325/-
۸۔	عرب و ہند کے تعلقات	(ہندی ترجمہ)	〃 〃	200/-
۹۔	خطبات مدراس	(ہندی ترجمہ)	〃 〃	125/-
۱۰۔	دین رحمت	(ہندی ترجمہ)	مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۱۔	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، اول	(ہندی ترجمہ)	سید صباح الدین عبدالرحمن	125/-
۱۲۔	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، دوم	(ہندی ترجمہ)	〃 〃	180/-
۱۳۔	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، سوم	(ہندی ترجمہ)	〃 〃	225/-